مسئلہ

ایمان و کفر

ایمان کی وضاحت اور فتنۂ تکفیر کا علمی جائزہ

تالیف

ابو محمد عبد الستار الحماد حفظہ اللہ

مکتبہ اسلامیہ

تالیف
ابو محمد عبد الستار الحماد حفظہ اللہ

مکتبہ اسلامیہ

کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مسئلہ ایمان وکفر

تالیف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابو محمد عبدالستار الحماد حفظہ اللہ

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محمد سرور عاصم

کمپوزنگ/ڈیزائننگ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز

اشاعت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جنوری 2010ء

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
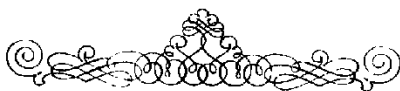
مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، لاہور - پاکستان فون:042-7244973

بیسمنٹ اٹلس بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد-پاکستان فون:041-2631204, 2034256

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد وآله وأصحابه وأتباعه وإخوانه أجمعين

أما بعد!

دین اسلام ایک انقلابی دین ہے جو اپنے ماننے والوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے، لیکن یہ تبدیلی کسی اتفاق کے نتیجہ میں نہیں ہوتی بلکہ ان کے سامنے تربیت و اصلاح کا ایک واضح پروگرام ہوتا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر وہ رفعت و بلندی کو حاصل کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک طریقہ ہے جس کی اس نے خود وضاحت کی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ اپنی حالت خود بدلنے کا عزم نہ رکھتے ہوں۔''

مگر اپنی حالت بدلنے والی بات ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس کے مقابلہ میں دریاؤں کا رخ بدلنا اور پہاڑوں کا جگر پھاڑنا آسان ہے مگر قلوب واذہان میں تبدیلی بہت مشکل ہے۔ لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ صحرائے عرب کے مکینوں کے پاس دنیاوی قوت اور طاقت نام کی کوئی چیز نہ تھی، نہ افرادی قوت تھی اور نہ ہی عسکری وسائل تھے۔ مگر اس کے باوجود چالیس سال کے قلیل عرصہ میں اس دور کی سپر پاور کو انہوں نے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یہ لوگ پہلے تو مال کے پجاری تھے، اب قلب ماہیت بایں طور ہوا کہ جب فتوحات کے نتیجہ میں ان کے پاس مال غنیمت آتا تو اسے دیکھ کر رونے لگ جاتے، کہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں تبدیلی کا بدلہ دنیاوی مال ومتاع کی صورت میں تو نہیں دے دیا؟ کیونکہ انہوں نے اس کٹھن راہ کا انتخاب دنیاوی دولت کی خاطر نہیں کیا تھا۔ بہر حال اس غیر متمدن قوم میں تبدیلی صرف ایمان کی بدولت آئی، ایمان کی ایک ہی لہر نے ان کے دل و دماغ کو بدل کر

---

[1] ۱۳/ الرعد:۱۱۔

رکھ دیا، قرآن کریم میں متعدد ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں اس ایمانی قوت کا تذکرہ ہے۔ ہم دربار فرعون سے وابستہ جادوگروں کے واقعہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہم پہلے ان کی ضمیر فروشی پھر سر فروشی کا واقعہ قرآنی الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

﴿ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ۝ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ۝ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ﴾ [1]

”فرعون نے اپنے گرد و پیش کے سرداروں سے کہا یہ شخص (موسیٰ) تو واقعی بڑا ماہر جادوگر ہے، وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے اس ملک سے نکال دے، اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ وہ کہنے لگے، اس کے اور اس کے بھائی کے معاملہ کو ملتوی کر دیں اور شہروں میں ہرکارے بھیج

[1] ٢٦/ الشعراء: ٣٤ تا ٥١۔

دیں کہ وہ ہر ماہر جادوگر کو اکٹھا کر کے آپ کے پاس لے آئیں، چنانچہ ایک معین دن کے ایک مقررہ وقت پر تمام جادوگروں کو اکٹھا کیا گیا کہ تم اس اجتماع میں چلو گے، شاید کہ ہم جادوگروں کے دین ہی پر رہ جائیں، اگر وہ غالب رہے۔ پھر جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے پوچھنے لگے، اگر ہم غالب رہے تو ہمیں کچھ صلہ بھی ملے گا، فرعون نے کہا، ہاں! اور تم تو اس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا پھینکو جو تم پھینکنا چاہتے ہو، چنانچہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور کہنے لگے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو جو کچھ جادوگروں نے شعبدے بنائے تھے، اس نے انہیں فوراً نگلنا شروع کر دیا، یہ دیکھ کر جادوگر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور بول اٹھے، ہم پروردگار عالم پر ایمان لاتے ہیں۔ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا تم موسیٰ کی بات مان گئے پیشتر اس کے کہ میں اس کی اجازت دیتا یقیناً یہ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، اس کا انجام تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت میں کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ وہ کہنے لگے کچھ پروا نہیں، ہمیں تو آخر کار اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونا ہے۔ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ضرور ہماری خطائیں معاف فرما دے گا۔ کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔"

قارئین کرام! غور کریں، مقابلہ سے پہلے جادوگروں کی یہ حالت تھی کہ وہ فرعون کے سامنے بچھے جا رہے تھے اور ضمیر فروشی کا یہ عالم تھا کہ وہ فرعون سے انعام واکرام حاصل کرنے کی التجا کر رہے تھے، لیکن اچانک تبدیلی اس طرح آئی کہ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلان حق کر رہے ہیں۔ اور فرعون کی سولی پر چڑھا دینے کی دھمکی کو بھی خاطر میں نہیں لا رہے، بلکہ وہ یک زبان ہو کر بول اٹھے:

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ﴾ [1]

''جس ذات نے ہمیں پیدا کیا ہے اور جو کچھ ہمارے پاس واضح دلائل آ چکے ہیں، ہم ان کے مقابلہ میں تجھے ترجیح نہیں دے سکتے، لہٰذا جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر لے زیادہ سے زیادہ تو بس اس دنیا کی زندگی کا ہی خاتمہ کر سکتا ہے۔''

ایمانی قوت اسی کا نام ہے، یہی جادوگر مقابلہ سے پہلے فرعون کے سامنے جی حضور! جی حضور! کہتے تھکتے نہ تھے اور اس سے اپنے ضمیر کا سودا کر رہے تھے اور فتح ہونے کی صورت میں اس سے انعام واکرام کی التجا بھی کر رہے تھے اور فرعون انہیں اپنا مقرب پکارنے کے وعدے بھی دے رہا تھا۔ مگر جب انقلاب آیا اور ایمان نے ان کا ضمیر بیدار کر دیا تو اسی جابر بادشاہ کے سامنے خم ٹھونک کر بات کرتے ہیں کہ اگر وہ سولی چڑھا دینے کی دھمکیاں دیتا ہے تو اس کی بھی کوئی پروا نہیں ہے۔

عربوں کی کایا پلٹ دینے والی چیز بھی اکسیر ایمان تھی۔ اسی اکسیر کی بدولت ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ لات ومنات کے پجاری رب العالمین کے عبادت گزار بن گئے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں کے سینے نور ایمان سے منور ہو گئے۔ وہ عرب جو کل تک بکریاں چراتے تھے آج وہ قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایمان کی دولت سے یہ سب کچھ ہوا، انہوں نے اللہ کی مخلوق کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خالق کی بندگی کا خوگر بنا دیا۔ ایمان کیا ہے؟ اس کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لغت میں لفظ ایمان کا اطلاق تصدیق محض پر ہوتا ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کا یہ مفہوم مستعمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [2]

---

[1] ۲۰/ طٰه: ۷۲۔ [2] ۹/ التوبة: ۶۱۔

"وہ رسول، اللہ کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہل ایمان کی باتوں کو بھی سچا سمجھتا ہے۔"

برادرانِ یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا:

﴿ وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَٰدِقِينَ ﴾ [1]

"آپ ہماری باتوں کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔"

اس طرح اگر ایمان اور اعمال صالح کا ذکر اکٹھا آئے تو اس وقت لفظ ایمان کا یہی مفہوم ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ﴾ [2]

"تمام انسان خسارے میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے تصدیق کی اور نیک اعمال بجالائے۔"

لیکن جب مطلق طور پر لفظ ایمان استعمال ہو تو اس وقت مطلوبہ شرعی ایمان مراد ہوتا ہے۔ جو اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ [3]

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ ایمان محض دعوی کا نام نہیں کہ ایک شخص مومن ہونے کا اعلان کر دے تو اسے مومن ہی خیال کیا جائے۔ اسی طرح اہل ایمان کے اعمال سے ملتے جلتے ایمان بجالانے کو بھی ایمان سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ نیز ذہنی طور پر کسی حقیقت کا ادراک کرنے کو بھی ایمان نام نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ ایمان ایک اخلاقی اور روحانی عمل ہے جو یقین کے ساتھ دل اور دماغ کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے بعد ریب و تشکیک کا کوئی حملہ بھی اس یقین کو کمزور یا متزلزل نہیں کرسکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا۟ ﴾ [4]

"اصل ایمان دار تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

---

[1] ۱۲/ یوسف:۱۷۔ [2] ۱۰۳/ العصر: ۲، ۳۔

[3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۹، ج ۱۔ [4] ۴۹/ الحجرات:۱۵۔

لائے پھر وہ کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوئے۔“

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف الجامع الصحیح کے کتاب الایمان میں ایمان کے عملی اور اخلاقی پہلو کو خوب نمایاں کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ احادیث میں مختلف اعمال کو ان کی اہمیت کے پیش نظر ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً: نماز، جز و ایمان ہے، جہاد کرنا ایمان کا حصہ ہے، زکوۃ دینا اسلام کا جزو ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ایمان کا تقاضا ہے، کھانا کھلانا اسلام کا حصہ ہے، تراویح پڑھنا بھی ایمان سے ہے وغیرہ۔ جب کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ”ایمان“ میں ایمان کے فکری اور نظری پہلو کو خوب واضح کیا ہے، ہم نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کتاب میں ایمان کے فکری اور عملی دونوں پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کا فیصلہ ہم اپنی طرف سے کرنے کے بجائے اپنے قارئین کے صوابدیدی اختیار پر چھوڑتے ہیں۔ ہم اس مقام پر یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ یہ تالیف دراصل ماہنامہ شہادت میں ایمان وعقیدہ کے نام سے شائع ہونے والے سلسلہ وار مضامین کا مجموعہ ہے جسے ہم نے معمولی ترمیم واضافہ کے بعد کتابی شکل دی ہے۔ مواد کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

- ☆ ایمان اور اس کی حقیقت
- ☆ ایمان کی حیثیت
- ☆ ایمان کی عظمت
- ☆ ایمان کی قوت
- ☆ ایمان کی شناخت
- ☆ ایمان کے اصول وارکان
- ☆ اللہ پر ایمان
- ☆ فرشتوں پر ایمان
- ☆ آسمانی کتابوں پر ایمان
- ☆ رسولوں پر ایمان
- ☆ یوم آخرت پر ایمان، اس عنوان کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں درج ذیل حقائق کے متعلق تفصیل دی گئی ہے۔
- ☆ قبر اور راحت قبر
- ☆ قبر اور عذاب قبر

☆ حشر ونشر ☆ حساب وکتاب
☆ حوض ☆ میزان
☆ پل صراط ☆ سفارش کی حیثیت
☆ احوال جنت ☆ اهوال جہنم
☆ تقدیر پر ایمان ☆ عقیدہ کی حقیقت
☆ عقیدہ توحید کے اہداف ومقاصد ☆ نواقض ایمان
☆ نواقض اسلام ☆ فتنہ تکفیر، اسے بھی ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ دور حاضر کا انتہائی سنگین اور خطرناک مسئلہ ہے۔اس کے تحت درج ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں۔

☆ کفر وتکفیر کی حیثیت ☆ کفر کی انواع
☆ تکفیر کے اسباب ☆ کفر کے موانع جو حسب ذیل ہیں

اکراہ، تقیہ، جہالت ولاعلمی، معقول تاویل، شدت جذبات، حالت نشہ، مرفوع القلم اور نقل وحکایت وغیرہ۔

کتاب کے آخر میں ہم نے ''امام بخاری اور فتنہ تکفیر'' کے عنوان سے تکفیر کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو ان کی تالیف الجامع الصحیح کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

ماہنامہ ''شہادت'' اسلام آباد میں ''ایمان وعقیدہ'' کے عنوان سے شائع ہونے والا سلسلہ وار ہمارا مضمون چار حصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ ''مسئلہ ایمان وکفر'' جو قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔
۲۔ ''معاشرے کے مہلک گناہ'' جسے مکتبہ اسلامیہ نے شائع کیا ہے۔
۳۔ ''گناہوں سے پاک کردینے والے اعمال'' یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔
۴۔ ''ایمان کی شاخیں'' اسے آیندہ شروع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ خلوص اور استقامت کے ساتھ دین حنیف کی

نشر واشاعت اور اس کی حقانیت کو اجاگر کرنے کی توفیق دے۔(آمین)

أبو محمد عبدالستار الحماد

۱۳ جون ۲۰۰۹ء بمطابق ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ

میاں چنوں

بروز ہفتہ بوقت ۱۰ بجے صبح

ایمان اور اس کی حقیقت

لفظ ایمان، امن سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی امن و اطمینان ہے۔ اس لغوی معنی کے پیش نظر مومن اسے کہا جاتا ہے، جس سے لوگ اپنے مال و جان اور عزت و آبرو کے متعلق سکون و اطمینان محسوس کریں چنانچہ درج ذیل حدیث میں اس معنی کو پیش نظر رکھا گیا ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ)) [1]

"مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے جان و مال کے متعلق بے خوف ہو جائیں۔"

اس کا دوسرا معنی تصدیق بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [2]

"ہم اس کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔"

کسی کی بات پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے اپنی تکذیب کی طرف سے مطمئن کرتے ہیں اور اس کی امانت و دیانت پر اپنے اعتماد و وثوق کا اظہار کرتے ہیں۔

شریعت کی نظر میں ایمان کی تعریف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف سے جو اصول و ارکان اور احکام و مسائل لے کر آئے ہیں ان کی تصدیق کرنا اور ان کی سچائی کو دل میں بٹھانا، پھر زبان سے اس تصدیق کا اظہار، پھر دیگر اعضا سے اس کا عملی ثبوت مہیا کرنا ایمان ہے۔ گویا ایمان کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور دیگر اعضا سے التزام عمل و متابعت، تکون کے یہ تینوں زاویے اس قدر لازم و ملزوم اور باہمی مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو الگ کر دیا جائے تو ایسا حقیقی ایمان باقی نہیں رہتا جس سے اخروی نجات کا حصول ممکن ہو۔ البتہ اس کے کچھ اجزا اساسی اور کچھ تکمیلی ہیں۔ سلف صالحین اور اہل سنت علمائے دین کا ایمان کے متعلق یہ موقف ہے کہ اس کے متعلق جو آیات و احادیث وارد ہیں ان کی اسی انداز میں متابعت کو کافی خیال کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ان مباحث کلامیہ کی طرف قطعی التفات نہ کیا جائے جو متاخرین کے "دست

---

[1] مسند امام احمد، ص ۲۰۶، ج ۲۔ [2] ۲۳/ المؤمنون: ۳۸۔

ہنر شناس'' کا کرشمہ ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موقف کو اپنی الجامع الصحیح کی کتاب الایمان میں اختیار کیا ہے کہ ایمان بسیط نہیں بلکہ تصدیق قلب، اقرار لسان اور عمل اعضا سے مرکب ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے شہرہ آفاق قصیدہ نونیہ میں اسی موقف کی ترجمانی کی ہے۔فرماتے ہیں:

واشهد عليهم ان ايمان الورى قول وفعل ثم عقد جنان

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ مخلوق کا ایمان تصدیق اور قول وعمل سے عبارت ہے۔''

کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ ایمان صرف تصدیق دل اور اقرار زبان کا نام ہے۔اعضا سے عمل ومتابعت ایمان کا جزو نہیں بلکہ اس کے لوازمات اور مقتضیات سے ہے۔

اہل علم کے متعلق یہ اختلاف کہ عمل ایمان کا حصہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا اساسی جزو ہے یا تکمیلی؟ نفس مسئلہ پر کوئی اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ یہ اختلاف محض نظری اور لفظی ہے کیونکہ اس بات پر فریقین کا اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیئت کے تحت ہے اگر اللہ چاہے تو اسے سزا دے یا اسے معاف کر دے۔فریقین کے نزدیک عمل کی حیثیت واہمیت تسلیم شدہ ہے اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف پایا جاتا ہے جن حضرات کے نزدیک عمل ایمان کا جزو ہے وہ بھی اسے تصدیق قلب اور اقرار زبان کے ہم پلہ نہیں کہتے بایں طور کہ اگر تصدیق واقرار کے ساتھ عمل نہ ہو تو سرے سے ایمان ہی نہ رہے، اسی طرح جو حضرات عمل کو جزو ایمان قرار نہیں دیتے وہ بھی عمل کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ وہ اخروی نجات کے لیے عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ عمل ایمان کے لوازمات میں سے ہے۔لہٰذا اس بحث میں وقت ضائع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ عمل ایمان کا جزو ہے یا نہیں البتہ فریقین کے مابین جو حقائق مشترک ہیں انہیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ وہ مشترک حقائق حسب ذیل ہیں:

1. فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو انسان ظاہری طور پر زبان سے اقرار کرتا ہے لیکن دل میں اس کی تکذیب چھپائے بیٹھا ہے اسے کسی صورت میں مومن نہیں کہا جائے گا

بلکہ قرآن کریم کی اصطلاح میں وہ منافق ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن منافق کو منکرین اسلام سے بھی زیادہ سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بلکہ منافقین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ ﴾ [1]

''یقیناً منافقین دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں رہیں گے۔''

آخرت میں دارالعذاب کے لیے درجے ہوں گے جن کا قرآن کی مختلف آیات میں ذکر ہوا ہے۔ سب سے نچلا درجہ ہاویہ کا ہے اور یہی منافقین کا ٹھکانہ ہے ان کے برعکس کھلے کافروں اور مشرکوں کو ان کے اوپر والے درجات میں رکھا جائے گا۔

2 اس بات پر بھی فریقین کا اتفاق ہے کہ حقیقی ایمان کے لیے صرف معرفت وتصدیق کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ زبان سے اقرار بھی ضروری ہے چنانچہ فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی صداقت کا دل سے یقین رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں سخت ترین عذاب سے دوچار فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ [2]

''ان کے دلوں میں تو ان نشانیوں کا یقین آ گیا تھا کہ وہ برحق ہیں لیکن زبان سے ظلم اور تکبر کے مارے انکار کرتے رہے۔''

اسی طرح اہل کتاب کو بھی رسول اللہ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی پوری پوری معرفت تھی لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کا اقرار نہ کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ [3]

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی (یہود ونصاریٰ) وہ تو آپ کے سچا رسول ہونے کی حقیقت کو اس طرح پہچانتے تھے جیسا کہ اپنے بیٹوں کو

[1] ٤/ النساء: ١٤٥۔ [2] ٢٧/ النمل: ١٤۔ [3] ٢/ البقرة: ١٤٦۔

پہچانتے ہیں۔“

بلکہ ابلیس لعین کو پروردگار عالم کی پوری معرفت حاصل تھی اس کے باوجود وہ امام الکافرین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محض معرفت وتصدیق، ایمان کے لیے کافی نہیں جب تک زبان سے اس معرفت وتصدیق کا اظہار نہ کرے، اس بنا پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ مومن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا کیونکہ وہ اہل قبلہ سے ہے اس وقت تک یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ دین اسلام کی حقانیت کا پختہ یقین دل میں نہ بٹھائے جس میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہ ہوں اور شہادتین کو زبان سے ادا نہ کرلے اگر ان میں سے کسی ایک پر اکتفا کرتا ہے تو اہل قبلہ سے شمار نہیں کیا جا سکتا ہاں کسی مجبوری کے پیش نظر زبان سے ادائیگی ناممکن ہو تو اللہ کے ہاں معذور ہو سکتا ہے۔ مثلاً:

ا۔ زبان میں لکنت یا کسی اور وجہ سے ادا نہیں کر سکتا۔

ب۔ یقین حاصل ہو جانے کے فوراً بعد اسے موت آ گئی ادائیگی کا اسے موقع نہیں مل سکا۔

ج۔ کفار وملحدین کے سخت دباؤ کی وجہ سے قاصر رہا اور زبان سے اقرار نہیں کر سکا۔

3 اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ایمان کے متعلق اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو مطلوب ہے وہ قول اور عمل ہے یعنی ”الایمان قول وعمل“ قول سے مراد دل سے کہنا یعنی اس کی تصدیق کرنا اور زبان سے کہنا یعنی اقرار واظہار کرنا ہے۔ البتہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کیا قول وعمل ایمان کے اجزائے حقیقی ہیں؟ اکثر اہل سنت ان دونوں کو ایمان کا حصہ قرار دیتے ہیں جب کہ کچھ اہل علم عمل کو ایمان کے لوازمات اور ثمرات سے تعبیر کرتے ہیں۔

4 اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ اگر کوئی دین اسلام کی حقانیت دل میں بٹھا لیتا ہے اور زبان سے اس حقانیت کا اظہار بھی کرتا ہے البتہ اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہی کہا جائے گا اور اس وعید شدید کا مستحق قرار دیا جائے گا جس کا ذکر قرآن اور حدیث میں موجود ہے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

5 اس حقیقت پر بھی اہل علم کا اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ اس گناہ کو اپنے لیے حلال نہ سمجھتا ہو اگر مرنے سے پہلے توبہ کیے بغیر اللہ

کے حضور پہنچ گیا تو جمہور اہل علم اگرچہ عمل کو ایمان کا حصہ کہتے ہیں لیکن اس کی تکفیر نہیں کرتے کیونکہ مرتکب کبیرہ دل سے اپنے رب کو مانتا تھا اور زبان سے اس کا اظہار بھی کر چکا تھا اور دیگر حضرات اگرچہ عمل کو ایمان کا حصہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ اسے لوازمات وثمرات سے شمار کرتے ہیں وہ بھی مرتکب کبیرہ کو دین اسلام سے خارج نہیں کہتے۔

6 اس حقیقت پر بھی تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایمان کی تعریف جو قول وعمل سے کی جاتی ہے یہ اللہ کے ہاں جزاوسزا کے لحاظ سے ہے یعنی دخول جنت اور جہنم میں ہمیشہ نہ رہنے کے اعتبار سے البتہ دنیوی احکام کے لحاظ سے صرف زبان سے اقرار اور شہادتین کی ادائیگی ہی کافی ہے اس کی ادائیگی کے بعد دنیوی احکام اس پر جاری ہوں گے اور اس کے لوازمات کو پورا کرنے کا اس سے مطالبہ کیا جائے گا اور اس کے متعلق کفر کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ وہ اپنے کسی دوسرے عمل سے اس زبانی اقرار کو ختم کر دے یا ایسا کام کرے جو اس کے منافی ہو، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر روانہ کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو گرفتار کیا اس نے لا الہ الا اللہ میرے سامنے ادا کیا اس کے باوجود میں نے نیزا مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ میرے دل میں اس کے متعلق کھٹکا سا پیدا ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاں اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

((أَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهُ))

''کیا تو نے اسے ''لا الہ الا اللہ'' ادا کرنے کے باوجود قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کیا کہ اس نے لا الہ الا اللہ کی ادائیگی میری تلوار سے بچنے کے لیے کی تھی یعنی تلوار کے ڈر سے ایسا کیا، دل سے یقین کے ساتھ اس کی ادائیگی نہ تھی۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا کہ اس نے کلمہ شہادت کی ادائیگی دل سے کی ہے یا نہیں؟''

آپ اس بات کو بار بار دھراتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ کاش ایسا نہ کرتا بلکہ آج ہی مسلمان ہوتا، تاکہ اس خفت کا مجھے سامنا نہ کرنا پڑتا۔ [1]

[1] صحیح مسلم، الایمان: ٩٦۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے ہم صرف اس کا ظاہر عمل دیکھنے کے پابند ہیں دل میں کیا چھپا رکھا ہے اس کی شناخت کے لیے ہمارے پاس کوئی طریقہ کار نہیں ہے یہ اندرونی معاملات اللہ کے حوالے ہیں وہی قیامت کے دن دلی کیفیات سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایمان کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے: دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور دیگر اعضا سے التزام عمل و متابعت، یہود کو رسول اللہ ﷺ کی معرفت تھی نیز ہرقل اور ابو طالب نے آپ کی صداقت و حقانیت کا کسی حد تک اظہار بھی کیا تھا اور منافقین میں بظاہر عمل و اتباع بھی موجود تھا اس کے باوجود مومن نہیں ہیں۔ لہٰذا تصدیق میں کوتاہی کا مرتکب منافق اور اقرار سے پہلو تہی کفر کا باعث ہے۔ جب کہ عملاً کوتاہی کا مرتکب فاسق ہے اگر انکار کی وجہ سے بدعملی کا شکار ہے تو اس کے کفر میں بھی کوئی شبہ نہیں ایسے حالات میں تصدیق و اقرار کا کوئی فائدہ نہیں۔

ایمان کی حیثیت

قبل ازیں ایمان کی حقیقت کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور دیگر اعضا سے التزام عمل ومتابعت۔ اب ہم قارئین کرام کو ایمان کی حیثیت اور اس کی قدر وقیمت کے متعلق آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ تعلیم اور قرآن کریم کا اسلوب بیان ہر دو فطری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ایک اُمی قوم کو ایمان کی حیثیت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح تم اپنے ماحول میں مکانات کا روزمرہ مشاہدہ کرتے ہو، اپنے مکان میں تم چھت دیکھتے ہو، ستون ہوتے ہیں، درودیوار ہوتے ہیں، یہ مجموعہ مل کر مکان کہلاتا ہے، پھر اس مکان کی ایک بنیاد ہوتی ہے، جس پر مکان قائم ہوتا ہے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان مکان تو آنکھوں سے نظر آتا ہے لیکن وہ بنیاد جس پر اس کی اتنی بڑی عمارت قائم ہے، وہ نظر نہیں آتی۔ وہ زمین کے نیچے ہوتی ہے، بس ایمان کی یہی حیثیت ہے، وہ نظر نہیں آتا لیکن تمام اسلام کی عمارت اس پر قائم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت سے اپنی اُمی قوم کو بایں الفاظ آگاہ فرمایا:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) [1]

"اسلام کا قصر پانچ چیزوں پر استوار ہے، شہادتین یعنی اس بات کا دل وزبان سے اقرار کرنا کہ ایک اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود حقیقی نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔"

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک موٹی سی مثال سے بہت بڑی حقیقت ذہن نشین کرادی

[1] صحیح بخاری، الایمان: ۸۔

لیکن کسی ذہن کو کوئی الجھن پیش نہیں آئی کہ مشکل کیا تھی اور وہ کیونکر حل ہوگئی؟ دور نبوت سے گزرنے کے بعد جب علوم رسمیہ کی نوبت آئی تو یہ صاف صاف بات ایک لاینحل معمہ بن کر رہ گئی کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب نیز اعمال، ایمان کا جزو ہیں یا نہیں اگر جزو ہیں تو تقویمی یا تکمیلی، اس پر مستقل مذاہب وجود میں آ گئے، اس پر ہزاروں اوراق سیاہ کر دیئے گئے لیکن روشنی پھر بھی نہ مل سکی۔ بقول شاعر:

شد پریشان خواب من زکثرت تعبیرها

ایمان کا معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید پیچیدگیوں میں الجھ کر رہ گیا۔ بہر حال قیامت کے دن نجات کے لیے ایمان بنیادی شرط ہے۔ اس کے بغیر خواہ کتنے ہی اچھے اعمال کیوں نہ ہوں ان کی حقیقت پر کاہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ [1]

''تو جو نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان پر بھی ہوگا اس کی کوشش رائیگاں جانے والی نہیں، ہم اس کے لیے اس کو لکھنے والے ہیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں صرف وہی عمل مقبول ہوگا جو ایمان کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے کیا جائے جو عمل ایمان کے بغیر کیا جائے یا اللہ کے لیے نہ کیا جائے اس کی اللہ کے ہاں کوڑی کے برابر بھی وقعت نہیں ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان کیے بغیر کیے ہوئے اعمال کی حیثیت بایں الفاظ بیان فرمائی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ﴾ [2]

''ان لوگوں کے اعمال کی تمثیل جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہ ہے کہ جیسے راکھ ہو، جس پر آندھی کے دن باد تند چل جائے جو کچھ انہوں نے

[1] ۲۱/ الانبیاء: ۹۴۔ [2] ۱۴/ ابراھیم: ۱۸۔

کمائی کی ہوگی اس میں سے کچھ بھی ان کے پلے نہیں پڑے گا۔“

ظاہر ہے کہ ان اعمال سے مراد مشرکین کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے اپنی دانست کے مطابق نیکی سمجھ کر انجام دیئے ہوں گے۔ فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے اعمال راکھ کے ایک ڈھیر کی مانند ہوں گے جس پر کسی آندھی والے دن میں تند ہوا چل جائے اور وہ سب کو اڑا لے جائے صرف ان کا وبال ان کے حصہ میں رہ جائے۔ ایک دوسرے مقام پر اس کی مزید وضاحت فرمائی:

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ ❶

”اور ہم ان کے ہر اس عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا بڑھیں گے اور اس کو پراگندہ غبار بنادیں گے۔“

یعنی ان مشرکین کو اپنی خدمات اور کارناموں پر بہت ناز ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے عوض ہمیں دنیا میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور آخرت میں بھی ہمیں بڑے بڑے مراتب ملیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے اعمال کو منتشر ذرات بنا کر اڑا دیں گے کیونکہ ہمارے ہاں اس عمل کی کوئی حیثیت نہیں جو ایمان کے بغیر کیا گیا ہو یا جو ہماری رضا کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ قرآن کریم کے اس اسلوب سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر ان کے ہر عمل کو ٹھکرا دیں گے خواہ وہ عمل بڑا ہو یا چھوٹا۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کی انتہائی تحقیر کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان کی حیثیت کو مزید نکھارتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾ ❷

”اور جو آخرت کا طالب بنتا ہے اور اس کے شایان شان کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو درحقیقت یہی لوگ ہیں جن کی سعی قبول ہوگی۔“

اس آیت کریمہ میں وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ کے الفاظ قابل غور ہیں۔

---

❶ ۲۵/ الفرقان: ۲۳۔ ❷ ۱۷/ بنی اسرائیل: ۱۹۔

مطلب یہ ہے کہ آخرت صرف تمنا کرنے سے نہیں مل جائے گی بلکہ اس کے لیے اس کے شایانِ شان کوشش بھی مطلوب ہے اور اس کے ساتھ شرک کی ہر آمیزش سے پاک ایمان کی بھی ضرورت ہے جب تک یہ دونوں چیزیں طلب آخرت کے ساتھ نہیں ہوں گی۔ اس وقت تک یہ تمنا لاحاصل ہی رہے گی۔

الغرض اخروی نجات کے لیے ایمان بنیادی حیثیت کا حامل ہے پھر اگر جنت میں دخول اُولیٰ کی خواہش ہے تو اس کے لیے ایمان کامل درکار ہے جس میں اس کے تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ واجبات کا تحفظ اور محرمات سے اجتناب ہو جس میں ایمان کی حلاوت اور چاشنی دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور ایمان، اعمال صالحہ کی آبیاری سے نشو ونما پا کر ایک نور کی شکل اختیار کر جائے پھر یہ نور اس قدر پھیل جائے کہ انسان کے تمام اعضا کا احاطہ کر لے، گویا یہ مومن خود ایمان مجسم بن جائے جسے دیکھ کر بے ساختہ اللہ کی یاد تازہ ہو جائے۔ بالآخر ایمان وہ صورت اختیار کرے جسے ہرقل نے بیان کیا چنانچہ اس نے اپنے مکالمہ کے دوران ابوسفیان سے یہ بھی ایک سوال کیا تھا کہ اس رسول پر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد بیزار ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے، اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا یہ سن کر اہل کتاب کے بہت بڑے عالم اور بادشاہ ہرقل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا پتہ دیتے ہیں:

"وكذالك الايمان اذا خالطت بشاشته القلوب" [1]

"یعنی ایمان ایسی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تازگی دلوں میں رچ بس جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔"

یہ اعلیٰ درجہ کا ایمان ہی دخول فی النار سے رکاوٹ بنتا ہے اس کے علاوہ ایک ایمان ناقص بھی ہے جو خلود فی النار سے رکاوٹ بنتا ہے، اس کے لیے ایمان کا دھندلا سا نقش بھی کافی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب رسول اللہ ﷺ کو سفارش کی اجازت دی جائے گی تو ارشاد ہوگا کہ جس کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہو اسے نکال لو،

[1] صحيح بخاري، الايمان: ٧۔

چنانچہ ان تمام لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کے بعد اعلان ہو جائے گا کہ اب اہل جہنم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو جنت میں آنے کا سزاوار ہو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا:

((شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ)) [1]

''فرشتوں کی بھی سفارش ہو چکی اور انبیا کی بھی سفارش ہو چکی اور اہل ایمان کی بھی سفارش ہو چکی، ان کی سفارش قبول کی جا چکی ہے اور اب ارحم الراحمین کی باری ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال لیں گے جنہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔''

گویا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس بہت ہی خفیف اور ضعیف ایمان کے علاوہ عمل صالح اور خیر کا کوئی سرمایہ بالکل نہ ہوگا مگر اللہ تعالیٰ بالآخر ان کو بھی اپنے رحم وکرم سے جنت میں داخل کر دیں گے۔ ان کے پاس ایمان کا ایسا دھندلا سا نقش ہوگا جس کو رسول اللہ ﷺ کی نگاہ بھی نہیں دیکھ سکے گی صرف رب العالمین کی باریک بین نظر ایمان کے اس درجے کو دیکھ کر جہنم سے نکالے گی۔

مختصر یہ کہ اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان کا وجود ضروری ہے اس کے بغیر عمل خواہ کتنا بڑا اور خوبصورت ہو اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت سے محروم رہے گا چنانچہ حدیث میں ہے کہ عاص بن وائل سہمی نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں، اس کے بیٹے ہشام نے اپنے حصے کے پچاس غلام اپنے باپ کی طرف سے آزاد کر دیے لیکن حضرت عمرو بن عاص مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَالِكَ)) [2]

---

[1] صحيح بخاری، التوحيد: ٧٤٣٩۔ [2] سنن ابی داود، الوصايا: ٢٨٨٣۔

"اگر وہ بحالت اسلام مرتا تو تمہارا اس کی طرف سے غلام آزاد کرنا، صدقہ خیرات کرنا اور حج کرنا درست تھا اسے ضرور اس کا ثواب پہنچتا۔"

چنانچہ مرنے والا ایمان کے بغیر مرا ہے لہٰذا کوئی عمل بھی اس کے لیے کارگر ثابت نہیں ہوگا۔

ایمان کے بغیر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا پر بدلا تو دے دیتا ہے کہ اہل دنیا کے ہاں اس کا خوب چرچا ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں البتہ قیامت کے دن اس کے مقدر میں محرومی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت سے مالا مال فرمائے اور ہمیں ایسا ایمان نصیب فرمائے جو دخول فی النار کے بغیر ہی جنت میں لے جانے کا باعث ہو۔ (آمین)

ایمان کی عظمت

اس عالم رنگ و بو میں دنیا کے ناپائیدار فوائد کے لیے بیٹا اپنے باپ کا گلا کاٹ رہا ہے۔ باپ اپنے حقیقی بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔ بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے۔ ہر طرف ظلم وستم کا دور دورہ ہے۔ امانت میں خیانت کی جاتی ہے۔ متاع دنیا کی خاطر عہد و پیمان توڑ دیئے جاتے ہیں۔ انسان، حدود انسانیت سے اس قدر تجاوز کر چکا ہے کہ عالم دنیا درندوں کی بستی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ ان مذموم حرکات واعمال کا محرک کیا ہے؟ صرف ایک چیز یعنی دنیا اور اس کے عارضی فوائد ومنافع، ایسے حالات میں ایمان وہ جوہر جہاں تاب ہے جو مومن کے اندر ترغیبات دنیا کو ٹھکرانے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔ اس کے دل کو اس یقین کامل سے بھر دیتا ہے کہ اللہ کے نزدیک روئے زمین کی تمام دولت بھی مچھر کے پر کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ یہ ایمان بندہ مومن کو دنیا کا غلام نہیں بننے دیتا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت میں گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم بستر کے بغیر چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے پہلو مبارک پر ننگی چٹائی کے نشان پڑ چکے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم آپ کو نرم ونفیس بچھونا لا کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنیے اور ایمان کے ان گہرے اثرات کا اندازہ کیجیے جو حیات انسان پر مرتب ہو کر رہتے ہیں۔ آپ نے شان بے نیازی سے فرمایا:

> ''مجھے دنیا کے ساز وسامان سے کیا واسطہ؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی مسافر دن کی گرمی میں چلتا رہے اور کسی سایہ دار درخت کے نیچے پل بھر کے لیے ٹھہرے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دے۔'' [1]

واضح رہے کہ ایمان ہمیں دنیا کے سر و سامان کے استعمال واستمتاع سے نہیں روکتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس کو مقصود اصلی نہ خیال کیا جائے اور اسے غایت الغایات نہ قرار دیا جائے۔ اسے کبھی یہ حیثیت نہ دی جائے کہ دین وایمان کے تقاضے مجروح ہونے لگیں۔

[1] مسند امام احمد، ج ۱، ص: ۳۹۱۔

ایسے حالات میں مادی سروسامان اور دنیوی فوائد و منافع میں اتنی سکت نہیں رہے گی کہ وہ ایمان و اخلاق کا مقابلہ کرسکیں بلکہ وہ قوت ایمان کا سامنا بھی نہیں کرسکیں گے۔ یہ وہ خارجی داعیہ ہے اگر اسے ایمان کے اسلحہ سے زیرنہ کیا جائے تو انسان کو قتل و غارت اور فساد و بگاڑ پر ابھارتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ داخلی داعیات بھی ہیں جنہیں ایمان کنٹرول کرتا ہے اور انہیں اپنے دائرہ میں رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ ان داخلی داعیات میں سب سے زیادہ طاقتور داعیہ جنس کا ہے جسے عام حالات میں قابو رکھنا بہت دشوار ہوتا ہے لیکن ایام شباب میں تو خاص طور پر یہ تمام حدود سے تجاوز کرنے کی تدابیر سوچتا ہے۔ اس عالم میں نہ اسے کسی قانون کا پاس ہوتا ہے اور نہ کسی طاقت کا ڈر، اگر یہ بے لگام داعیہ کسی قوت کے سامنے بے بس ہوتا ہے تو وہ صرف قوت ایمان ہے۔ جو مومن اس قسم کی قوت ایمان سے سرشار ہوتا ہے اور نازک حالات میں اپنے آپ کو کنٹرول کرتا ہے اسے رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ تلے رہنے کی بشارت دی ہے۔ ہم اس مناسبت سے سیدنا یوسف علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہیں کہ یہ حضرت نوجوان ہی تو تھے، پھر قسام ازل نے حسن و جمال سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حالات و واقعات نے انہیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں داعیہ جنس کی تسکین کے سارے سامان موجود تھے۔ ایک منصب و جمال سے بھراور خاتون خود انہیں دعوت گناہ دے رہی تھی۔ وہ خاتون ایک ایسے حاکم وقت کی اہلیہ تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کیا تھا۔ دونوں تنہا ہیں، قانون کی نظر سے مستور اور لوگوں کی دسترس سے دور تھے۔ دروازے بند کرلیے گئے، اس داعیہ جنس کے ہاتھوں مجبور و مشتعل خاتون نے پوری قوت کے ساتھ سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے آئینے میں اتارنے کی کوشش کی۔ غور فرمائیں! اس وقت کیا چیز تھی جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو مضبوط رکھا۔ ان کی معاون بنی اور ان کے داعیہ جنس کو ضبط میں رکھا۔ یہ صرف ایمان تھا، اللہ کے موجود ہونے کا ایمان، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور پھر اس کے محاسبہ و مواخذہ پر یقین اور اس بات پر ایمان کہ داعیہ جنس کی یہ صورت ہمارے رب نے حرام کی ہے۔ یہ اللہ کی رحمت سے دور کرنے والی اور اس کے غضب کو دعوت دینے والی ہے۔ یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر

تھا جو اللہ کے حبیب اور اس کے جلیل القدر پیغمبر تھے جو اللہ کی طرف سے غیر معمولی اوصاف کے حامل انسان تھے۔ اب ایک عام عورت کا واقعہ سنیے جو دولت ایمان سے مالا مال تھی۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عام مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے رات کو گشت کرتے تھے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ کسی مکان سے گزرتے وقت ایک عورت کی پرسوز آواز سنی۔ اس کے لیے اپنے شوہر نامدار کی جدائی نا قابل برداشت ہو رہی تھی جو جہاد و قتال میں مصروف تھا اور کئی مہینوں سے گھر نہیں آ سکا تھا۔ اس کے جذبات اشعار کی صورت میں ابھر پڑے تھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

''رات طویل اور تاریک ہو گئی ہے اور میری آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی ہے کیونکہ میرا محبوب موجود نہیں جس کے ساتھ میں اپنا دل بہلا سکوں۔ اللہ کی قسم! اگر اس کا ڈر نہ ہوتا اور اس کی نافرمانی کے نتائج و عواقب کا خوف نہ ہوتا تو اس پلنگ کے اطراف و جوانب کو ہلا دیا جاتا۔''

آپ نے غور فرمایا کہ رات کی تنہائی میں اس عورت کے جذبات کو کونسی چیز کنٹرول کر رہی ہے۔ وہ یہی ایمان ہے اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سے دریافت کرنے پر ہر فوجی نوجوان کے لیے چار ماہ کے بعد اپنے گھر جانا لازمی قرار دے دیا۔

داعیہ جنس کے بعد جذبہ انانیت بھی بعض اوقات انسان کو بڑے سنگین حالات سے دوچار کر دیتا ہے۔ اپنی انا کی برتری اور اپنی ذات کے وقار کا سوال عام طور پر ہمارے نزدیک زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس جذبہ انانیت نے کتنے خاندانوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا اور کتنی قوموں کو باہم دست و گریبان کر دیا، ایسے حالات میں کوئی ضابطہ، کوئی قانون اسے لگام نہیں ڈال سکتا۔ صرف ایمان کی زنجیر ہے جو اس سرکشی سے باز رکھتی ہے۔ ایمان اس جڑ کو ہی کاٹ دیتا ہے جہاں سے شاخ انانیت کو غذا ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ گوش گزار کیا جاتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی اپنے کسی جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے، ان کا وراثت کے متعلق کوئی تنازعہ تھا۔ ہر ایک

کہتا تھا کہ یہ میرا حق ہے مگر ثبوت کسی کے پاس نہ تھا تاہم دوسرے کے حق کا انکار بڑی شد و مد سے کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قلوب واذہان کو جھنجھوڑنے کے لیے فرمایا:

''میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آئے ہو، عین ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہو اور وہ زبان و بیان کے زور سے اپنے موقف کو بہتر طریقہ سے ثابت کر دے تو میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، لیکن یاد رہے کہ ایسے حالات میں جس کو میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دے دیا، وہ آگ کا ٹکڑا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے حق کو قبول نہ کرے۔''

جھگڑنے والوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی زبان حق سے یہ کلمات تنبیہ سنے تو ان کے اندر کا جذبہ انانیت دب گیا اور قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہونے کا فکر دامن گیر ہوا۔ دونوں رو پڑے اور ہر ایک دوسرے سے کہنے لگا، میں اپنے حق سے دستبردار ہوا۔ میں بخوشی اپنا حق تجھے دیتا ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے جذبہ خشیت الٰہی بیدار ہو چکا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اب تم یوں کرو کہ اس ورثہ کو آپس میں تقسیم کر لو اور اپنا اپنا حق لے لو اور تقسیم کرتے وقت اگر کسی کے حق میں سے تھوڑا بہت دوسرے کے پاس جانے کا احتمال ہو تو وہ درگزر سے کام لے اور اسے دوسرے کے لیے مباح قرار دے دے۔'' [1]

آپ نے غور فرمایا کہ یہ نزاع جو سراسر انانیت کی پیداوار تھا، کس چیز کی بدولت ختم ہوا۔ وہ صرف ایمان کی دولت تھی جس سے انسان کے اندر زہد و ایثار کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بندہ مومن دوسرے بھائی کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اس قسم کے حامل اوصاف حضرات کا تذکرہ کیا ہے:

[1] طحاوی، ص: ۲۸۷ ج ۲۔

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [1]

''یہ انصار ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کو جلا بخشے جو قیامت کے دن ہمارے لیے روشنی کا باعث ہو اور ہمیں دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرے۔ (آمین)

[1] ۵۹/ الحشر: ۹۔

ایمان کی قوت

قبل ازیں ہم نے ایمان اور اس کی عظمت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آج کل انسان، حدود انسانیت سے اس قدر تجاوز کر چکا ہے کہ یہ عالم دنیا، درندوں کی بستی معلوم ہوتی ہے چنانچہ اس دنیا کے ناپائیدار منافع کو حاصل کرنے کے لیے بیٹا اپنے باپ کا گلا کاٹ رہا ہے، باپ اپنے حقیقی بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔ بھائی بھائی کا خون کر رہا ہے۔ ہر طرف ظلم کا دور دورہ ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ ان مذموم حرکات واعمال کا محرک کیا ہے؟ صرف ایک چیز یعنی دنیا اور اس کے عارضی فوائد ومنافع ایسے حالات میں ایمان وہ جوہر جہاں تاب ہے جو مومن کے اندر ترغیبات دنیا کو ٹھکرا دینے کی ہمت پیدا کرتا ہے اس کے دل کو ایسے یقین کامل سے بھر دیتا ہے کہ اللہ کے نزدیک روئے زمین کی تمام دولت بھی مچھر کے پر کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھتی، یہی وہ ایمان ہے جو ایک بندہ مومن کو دنیا کا غلام نہیں بننے دیتا۔

اس عالم رنگ و بو میں انسان کے سامنے بے شمار مقاصد ہوتے ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے وہ لگاتار محنت اور مسلسل تگ ودو کرتا ہے اس کشمکش کے دوران اسے بعض اوقات اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ایسے کٹھن حالات میں کوئی میری دست گیری کرے تاکہ حصول مقاصد کے راستہ میں جو خطرات ہیں وہ ختم ہو جائیں اور رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ ایسے حالات میں جو طاقت اسے تن آور بناتی ہے وہ قوت ایمان ہے۔ ایمان کی بدولت مومن اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ حصول مقصد کے لیے وہ کسی قسم کے خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا اسے صرف اللہ کے فضل کی امید ہوتی ہے اور اللہ کے غضب کا ڈر ہوتا ہے وہ نہتا ہو کر بھی بڑا قوی ہوتا ہے کیونکہ اسے اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی معیت صرف اور صرف ایمان کی بدولت ملتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں قدم قدم پر اللہ کی معیت کا مظاہرہ ہوتا ہے چنانچہ جب وہ اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے تو فرعون، اعیان سلطنت، بڑے بڑے سردار اور ان کے شہزادے اپنے محلات سے نکل آئے تاکہ بنی

اسرائیل کے مہاجر قافلوں پر یکبارگی حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے ان کا قلع قمع کر دیں جب بنی اسرائیل نے فرعونی فوجوں اور ان کی حشر سامانیوں کو دیکھا تو گھبرا اٹھے اس وقت بنی اسرائیل کی ذہنی کیفیت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایمانی قوت اور اللہ رب العزت کی نصرت جسے قرآن کریم نے بڑی جامعیت اور دل آویزی کے ساتھ بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے:

﴿ فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ۝ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝ قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۝ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ۝ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ ﴾ [1]

"صبح ہوتے یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے، جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی چیخ اٹھے کہ "ہم پکڑے گئے" موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ ضرور میری راہنمائی فرمائے گا۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ "مارا اپنا عصا سمندر میں" سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے موسیٰ علیہ السلام اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔ اس واقعہ میں ایک نشانی ہے مگر ان لوگوں میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔"

اس واقعہ میں نشانی کی وضاحت اس طرح ہے کہ فرعون، تمام سرداروں اور ہزارہا لشکریوں کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی ہوئی تھی کہ سالہا سال تک جو نشانیاں ان کو دکھائی جا رہی تھیں ان کو تو وہ نظر انداز کر رہے تھے آخر میں غرق ہونے کے وقت بھی ان کو یہ نہ سوجھا

[1] ۲۶/ الشعراء: ۶۰ تا ۶۸۔

کہ سمندر بنی اسرائیل کے لیے پھٹ گیا ہے پانی پہاڑوں کی طرح دونوں طرف کھڑا ہے اور درمیان میں خشک راستہ بنا ہوا ہے جس سے بنی اسرائیل گزر رہے ہیں یہ کھلی علامت دیکھ کر بھی انہیں عقل نہ آئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی طاقت کام کر رہی ہے، دوسری طرف اہل ایمان کے لیے بھی اس میں نشانی ہے کہ ظلم اور اس کی طاقتیں خواہ کتنی ہی زور آور کیوں نہ ہوں بالآخر اللہ کی مدد سے حق کا بول بالا ہو کر رہتا ہے اور باطل کو سرنگوں ہو کر پسپائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو انسان اپنے رب پر ایمان لے آئے اور اس پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ اللہ ایسے کٹھن حالات میں بے بس اہل ایمان کی دستگیری فرماتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [1]

''اور ہم پر یہ حق ہے کہ اہل ایمان کی مدد کریں۔''

قارئین کرام! اس مقام پر فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کے واقعہ کو بھی ذہن میں تازہ کریں کہ چند لمحوں کے اندر اس دولت ایمان نے ان کی سیرت میں کتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے انہی جادوگروں کی ضمیر فروشی کا یہ عالم تھا کہ اپنے آبائی دین کی نصرت و حمایت کی خاطر فرعون سے پوچھ رہے تھے کہ اگر ہم نے اپنے مذہب کو موسیٰ علیہ السلام سے بچا لیا تو سرکار کی طرف سے ہمیں کس قسم کے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا:

﴿ إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴾ [2]

''اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ تو ضرور ملے گا۔''

اب جو دولت ایمان سے مالا مال ہوئے تو ان کی استقامت اور حق پرستی اس حد تک پہنچ گئی کہ تھوڑی دیر پہلے جس بادشاہ کے سامنے لالچ کے مارے بچھے جا رہے تھے اب اس کی کبریائی کو ٹھوکر مار رہے ہیں اور ان سنگین سزاؤں کو بخوشی بھگتنے کے لیے تیار ہیں جن کی دھمکی فرعون نے دی تھی مگر اس حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں جس کی صداقت روز روشن کی

[1] ۳۰/ الروم: ۴۷۔ [2] ۷/ الاعراف: ۱۱۳۔

طرح ان پر واضح ہو چکی تھی، ان کی داستان سرفروشی قرآن بایں الفاظ بیان کرتا ہے:

﴿ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ [1]

''جادوگروں نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرے گا، ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور اس جادوگری سے درگزر فرمائے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اللہ تعالیٰ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔''

ایمان کی قوت اور اس کے اثرات کے حوالہ سے چند آیات قرآن کا مطالعہ مفید رہے گا۔

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ ﴾ [2]

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایک ایمان کا درجہ اور بڑھائیں۔''

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ [3]

''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت رسول اور اہل ایمان پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے۔''

﴿ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ﴾ [4]

---

[1] ٢٠/ طٰہٰ: ٧٢، ٧٣۔ [2] ٤٨/ الفتح: ٤۔

[3] ٩/ التوبۃ: ٢٦۔ [4] ٤٨/ الفتح: ٢٦۔

”پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اہل ایمان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں تقویٰ کی بات کا پابند رکھا۔“

ان آیات میں سکینت سے مراد دل کی وہ کیفیت ہے جس کی بنا پر ایک شخص کسی عظیم مقصد کے لیے ٹھنڈے دل سے پورے اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے آپ کو خطرے کے منہ میں جھونک دیتا ہے اور کسی خوف یا گھبراہٹ کے بغیر فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ کام بہر حال کرنے کا ہے خواہ نتیجہ کچھ بھی بر آمد ہو۔

یہ ایمان جب مزید ترقی کرتا ہے اور عروج وارتقا کی منازل طے کرتا ہوا توکل واعتماد کے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ دشمن کی دھمکی اس کی دلیری اور بہادری کا باعث بن جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ ﴾ [1]

”یہ وہ جماعت ہے جن کو کفار نے دھمکی دی کہ تمہارے مقابلہ کے لیے ایک بڑی فوج تیار کی گئی ہے تو ان سے ڈرو، اس دھمکی پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور بولے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔“

اس قسم کا ایک امتحان نہیں بلکہ انہیں سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے مگر شک وتردد کا ایک کانٹا بھی ان کے دامن یقین میں نہیں الجھتا، وہ استقامت اور حق ویقین کی ایک ایسی چٹان بن جاتے ہیں کہ مصائب کے لشکر اگر ان سے ٹکراتے ہیں تو وہ خود پاش پاش ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں دے سکتے۔ جان ومال کی قربانی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ انہیں راہ حق میں موت اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے یہ وہی ہیں جن کی ہیبت سے قیصر وکسریٰ کے ایوان لرز اٹھے اس حیرت انگیز ثبات کا ایک زندہ کردار پیش خدمت ہے تا کہ اس کی روشنی میں ہم اپنے ایمان کا جائزہ لیں۔

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۷۳۔

قادسیہ کے میدان میں جب مجاہدین اور ایرانی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بذریعہ خط صورتحال سے آگاہ کیا کہ ایران کا خطرناک جرنیل رستم پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر ہمارے مقابلے میں آچکا ہے۔ مقابلہ بڑا سخت دکھائی دیتا ہے اس نازک ترین صورتحال میں کس طرح آگے بڑھا جائے۔ امیر المؤمنین نے جواب میں لکھا کہ چند فصیح اللسان مجاہدین کا ایک وفد تشکیل دے کر شاہ ایران کی طرف دعوت دینے کے لیے روانہ کر دو، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ربعی بن عامر کی سرکردگی میں ایک وفد تشکیل دیا۔ یہ وفد جب ایرانی جرنیل رستم کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے خدم وحشم اور اس کے لشکری سونے چاندی میں لدے پھندے اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہیں مگر حضرت ربعی بن عامر کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے اپنے کوتاہ قامت گھوڑے، اپنی ٹوٹی پھوٹی ڈھال اور اپنے معمولی لباس کے ساتھ رستم کے پاس جا پہنچے اس نے سوال کیا تم کون ہو؟ اللہ کے اس بندے نے پوری قوت سے جواب دیا جو تاریخ کے صفحات میں موجود ہے فرماتے ہیں:

> ’’ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ایک مقصد لے کر نکلے وہ یہ کہ اللہ کی مخلوق کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کی غلامی میں دے دیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر انہیں کشادگی سے ہمکنار کریں اور باطل ادیان نیز طاغوتی طاقتوں کے ظلم وستم سے نکال کر اسلام کے سایہ رحمت میں لے آئیں کشور کشائی اور ملک گیری ہمارا ہدف نہیں ہے۔‘‘ [1]

آپ نے دیکھا کہ حضرت ربعی بن عامر کے اندر کیا چیز بول رہی تھی۔ رستم ایران کے سامنے بے باکی اور جرأت ودلیل کس بنا پر تھی؟ صرف یہ قوت ایمان تھی اور وہ حق وصداقت کے نمائندہ اور ایمان وسلامتی کے علمبردار تھے۔ یہ شجاعت وبہادری ایمان کی وجہ سے تھی۔

ہرقل جو اہل کتاب کا بہت بڑا عالم اور قسطنطنیہ کا بادشاہ تھا وہ بھی اس ایمانی حقیقت

---

[1] البداية والنهاية: ٧/ ٧٤٦ وتاريخ الطبري، ٢/ ٤٠١۔

سے آشنا تھا اس نے ابوسفیان کے سامنے اس کا برملا اظہار کیا:

"وكذلك الايمان اذا خالطت بشاشته القلوب" [1]

''ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت وتراوت دلوں میں رچ بس جاتی ہے تو پھر یہ ایمانی کیفیت ختم نہیں ہوتی۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسا ایمان نصیب کرے جو قیامت کے دن اللہ کی رضا کا باعث ہو اور ہمیں جنت کا وارث بنا دے۔ (آمین)

[1] صحيح بخاری، الجهاد: ٢٩٤١۔

ایمان کی شناخت

اس سے پہلے ہم نے ایمان اور اس کی محبت کو بیان کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ جس طرح قانون کشش کے تحت یہ کرہ ارض اور دیگر سیارے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں اسی طرح جذبہ محبت تعلقات انسانی کو اپنی اپنی جگہ پر قائم رکھے ہوئے ہے اور انہیں خراب ہونے سے بچاتا ہے اگر جذبات محبت کے ساتھ کسی کے دل میں بشاشت ایمان بھی گھر کر چکی ہو تو وہ اللہ کے ہاں پسندیدہ کائنات بن جاتا ہے یہی ایمان سب سے پہلے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے کیونکہ اس پر احسان ولطف کا سر چشمہ دراصل وہی ہے۔ اپنے محسن سے محبت کرنا عین فطرت کا تقاضا ہے پھر سب سے بڑے محسن سے تو سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾ [1]

''ایمان رکھنے والے سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔''

یعنی ایمان کا اقتضا یہ ہے کہ آدمی کے لیے اللہ کی رضا ہر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو اور کسی چیز کی محبت انسان کے دل میں یہ مرتبہ اور مقام نہ حاصل کر پائے کہ وہ اللہ کی محبت پر اسے قربان نہ کر سکتا ہو، صاحب ایمان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں ان کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات، اہل وعیال، اپنے والدین اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرتا ہے اس ایمانی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں۔ اب ہم ایمان اور اس کی شناخت کے متعلق اپنے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔

دنیا کی زندگی میں ہر ہر قدم پر آدمی کے سامنے ایسے مواقع آتے ہیں جہاں اس کا ایمان یا تو کسی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی چیز سے منع کرتا ہے یا جان و مال اور محنت و خواہشات کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے ایسے حالات میں جو شخص تسلیم و رضا اور اطاعت و فرمانبرداری سے سر مو انحراف کرے گا اس کے ایمان میں کمی واقع ہو گی یہاں تک کہ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایمان کی اس آخری سرحد پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے معمولی سا انحراف ایک مومن کو منافق بنا

[1] ۲/ البقرۃ: ۶۵۔

دیتا ہے اس کے برعکس جو شخص بھی اپنے ایمان کے آگے سر جھکا دے گا خلوص جتنا زیادہ اور اطاعت جتنی مکمل ہوگی اس کے علاوہ دین حق کی سربلندی کے لیے لگن اور دھن جتنی بڑھتی چلی جائے گی ایمان اسی نسبت سے قد آور ہوتا جائے گا۔ اس موقع پر ہم قارئین کے سامنے غزوہ خندق کے وقت امتحان کی تصویر پیش کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠ ۝ هُنَالِكَ ٱبْتُلِىَ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا۟ زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝﴾ [1]

”جب وہ (لشکر) تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے سے تم پر چڑھ آئے جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت ایمان والے خوب آزمائے گئے اور انہیں بری طرح ہلا کر رکھ دیا گیا تھا۔“

احادیث میں ہے کہ قبیلہ غطفان کا حملہ مدینہ کے مشرقی جانب سے ہوا تھا اور قریش اور ان کے حلیفوں کی فوجیں مغربی سمت سے در آئی تھیں۔ یہ دہشت ناک اور ہولناک منظر دیکھ کر ضعیف ایمان اور نفاق کی بیماری میں مبتلا لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے اللہ کی نصرت اور اس کے وعدوں کے متعلق اب تک انہیں جو کچھ بتایا اور سکھایا گیا تھا وہ سب ان کے نزدیک مشکوک ہو گیا کیونکہ ایک طرف سے دشمنوں کی یورش اور دوسری جانب اپنی صفوں کے اندر ایسے لوگوں کا وجود جو حالات کا مقابلہ نہ کر سکے اور اس طرح کے شبہات ظاہر کرنے لگے۔

منافقین کی سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں انہوں نے اہل ایمان کے حوصلے پست کرنے کے لیے طرح طرح کے نفسیاتی حملے شروع کر دیئے کسی نے کہا کہ ہم سے وعدے تو قیصرو کسریٰ کے ملک فتح ہو جانے کے کیے جا رہے تھے اور اب صورت حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے بھی نہیں نکل سکتے۔ کسی نے یہ کہہ کر خندق کے محاذ سے رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں ہمیں جا کر ان کی حفاظت کرنا ہے کسی نے یہاں

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۱۰، ۱۱۔

تک خفیہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کرلو اور محمد ﷺ کو ان کے حوالے کر دو یہ ایسی شدید ایمانی آزمائش کا وقت تھا جس میں ہر اس شخص کا پردہ فاش ہو گیا جس کے دل میں ذرا برابر نفاق اور مسلمانوں کے خلاف کینہ موجود تھا صرف صادق اور مخلص اہل ایمان ہی تھے جو اس کڑے وقت میں بھی فدا کاری اور جانثاری کے عزم پر ثابت قدم رہے، قرآن کریم نے ان دونوں گروہوں کے کردار کو بڑے نمایاں اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ [1]

''یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ایمان لے آؤ تم عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے، اور اللہ کی تائید و نصرت تمہارے قدم چومے گی بالآخر غلبہ تمہیں نصیب ہوگا یہ تمام وعدے العیاذ باللہ ہوائی تھے۔ حالانکہ جنگ احد کے موقع پر جو کمزوری انہوں نے دکھائی تھی اس پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کر کے ان لوگوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اب اگر آزمائش کا کوئی موقع پیش آیا تو ہم اپنے اس قصور کی تلافی کر دیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ﴾ [2]

''ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔''

لیکن اللہ تعالیٰ کو محض باتوں سے دھوکا نہیں دیا جا سکتا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد باندھتا ہے تو اس کے سامنے کوئی نہ کوئی آزمائش کا موقع وہ ضرور لے آتا ہے، تاکہ اس کا جھوٹ اور سچ کھل جائے چنانچہ غزوہ احد کے دو سال بعد پہلے سے زیادہ خطرہ سامنے آگیا

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۱۲۔ [2] ۳۳/ الاحزاب: ۱۵۔

اور اس نے جانچ کر دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے کیسا کچھ سچا عہد اس سے کیا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ فیصلہ کیا:

﴿ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ﴾ ❶

''یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔''

یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے جو نمازیں پڑھیں، جو روزے رکھے، جو زکوٰتیں دیں اور بظاہر جو نیک کام بھی کیے ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کالعدم قرار دے گا اور ان کا انہیں کوئی اجر نہیں دے گا۔ کیونکہ اللہ کا فیصلہ اعمال کی ظاہری شکل پر نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس ظاہر کی تہ میں ایمان اور خلوص ہے یا نہیں۔

قارئین کرام! آپ نے ایمان کے جھوٹے دعویداروں کا کردار ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے وعدوں کو محض جھوٹ اور فریب قرار دیا اب ایمان کے حقیقی دعویداروں اور رسول کریم ﷺ کے سچے وفادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایسے کٹھن حالات میں طرز عمل ملاحظہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴾ ❷

''اور جب اہل ایمان نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی خود سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔''

اگرچہ ظاہری اقرار ایمان میں جھوٹے دعویدار اور حقیقی ایمان دار یکساں تھے مسلمانوں کے گروہ میں دونوں کا شمار ہوتا تھا اور نمازوں میں دونوں شریک ہوتے تھے لیکن آزمائش کی گھڑی پیش آنے پر اپنی شناخت کرانے میں دونوں ایک دوسرے سے چھٹ کر

❶ ۳۳/ الاحزاب: ۱۹۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب: ۲۲۔

الگ ہو گئے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں کا ایک مطلب تو وہ تھا جو ان جھوٹے مدعیان ایمان نے سمجھا تھا۔ دوسرا مفہوم وہ ہے کہ جو ان صادق الایمان مسلمانوں نے سمجھا۔

خطرات کے گھٹاٹوپ بادل دیکھ کر اللہ کے وعدے تو ان کو بھی یاد آئے مگر یہ وعدے نہیں کہ ایمان لاتے ہی انہیں عرب و عجم کا مالک بنا دیا جائے گا اور قیصر وکسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں گے، بلکہ یہ وعدے بایں صورت تھے کہ ایمان لانے کے بعد تمہیں سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوگا، مصائب وآلام کے پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑیں گے، تمہیں جانی و مالی قربانیاں دینا ہوں گی تب کہیں جا کر اللہ کی عنایات تم پر ہوں گی اور تمہیں دنیا اور آخرت کی سرفرازیاں بخشیں جائیں گی۔ جن کا وعدہ اللہ نے اپنے بندوں سے کر رکھا ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے اپنے حقیقی رفقا کی تربیت بھی اسی منہج پر فرمائی تھی چنانچہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ کعبہ کے سایہ تلے اپنی چادر کو تکیہ بنا کر لیٹے ہوئے تھے کہ ہم نے آپ سے کفار مکہ کی تکالیف کا شکوہ کیا اور آپ نے درخواست سن کر فرمایا:

''تم سے پہلے جو لوگ تھے انہیں اس ایمان کی وجہ سے پکڑا جاتا اور زمین میں گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیا جاتا پھر لوہے کا آرا لے کر ان کے سر کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں کا گوشت نوچ لیا جاتا، اس قدر سنگین حالات میں بھی وہ اپنے ایمان میں پختہ رہتے اور ان کے پائے استقلال میں کوئی فرق نہ آتا تم ابھی سے گھبرانے لگے ہو۔'' [1]

بلکہ ایسے حالات میں ثابت قدم رہنے والوں کو حلاوت ایمان سے دوچار ہونے کی بشارت دی گئی ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''ایمان کی شیرینی اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو،

[1] صحيح بخاري، كتاب الاكراه: ٦٩٤٣۔

دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو وہ صرف اللہ کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔'' [1]

اس حدیث مبارکہ کے آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اسے اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اسے چھوڑنے کا خیال اس کے لیے آگ میں گر جانے کی تکلیف کے مترادف ہو۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول کے وعدے کا ذکر آیا ہے یہ اشارہ قرآن کریم کی ان آیات کی طرف ہے جن میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کامیابی کی منزل کو پہنچنے سے پہلے ان کو نہایت صبر آزما امتحانوں سے گزرنا پڑے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۝ ﴾ [2]

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر اپنے اس طریقے کی وضاحت فرمائی ہے کہ

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۝ ﴾ [3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاکراہ: ٦٩٤١۔

[2] ٢٩/ العنکبوت: ٢۔٣۔ [3] ٢/ البقرۃ: ٢١٤۔

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں بس یونہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی وہ حالات تو تم پر گزرے ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکے ہیں، ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں انہیں خوب ہلا کر رکھ دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سنو! اللہ کی مدد بس قریب آ لگی ہے۔''

واضح رہے کہ راہ حق میں جو آزمائش بھی پیش آتی ہے وہ جس طرح کمزوری کے کھوٹ کو نمایاں کرتی ہے اسی طرح سچے جانثاروں کی وفاداری کو بھی جلا بخشتی ہے، ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴾ [1]

''ایمان لانے والوں میں کچھ ایسے رجال موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے اور انہوں نے اپنے رویے میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی ہے۔''

قارئین کرام! ان آیات واحادیث اور واقعات کی روشنی میں ہم نے اپنے ایمان وکردار کا بھی جائزہ لینا ہے کہ ہمارے اندر وصف خود سپردگی کس قدر پیدا ہوا ہے؟ ہم جذبہ اطاعت سے کس قدر سرشار ہیں، کہیں دنیا کی محبت نے ہمارے دل اور دماغ کو اس قدر ماؤف تو نہیں کر دیا کہ ہم آخرت کے متعلق سوچ وبچار سے محروم ہو چکے ہوں، اگر ایسا ہے تو آیئے اپنے ایمان کی تجدید کریں تاکہ قیامت کے دن اللہ کے حضور شرمسار نہ ہونا پڑے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان اور عقیدہ کی سلامتی سے ہمکنار کرے۔ (آمین)

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۲۳۔

ایمان کے اصول وارکان

اس عالم رنگ و بو کی صلاح و بقا اس بات پر موقوف ہے کہ حق کو تسلیم کیا جائے پھر اس کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کیا جائے اور حق انہی حقائق کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیا علیہم السلام لے کر آئے ہیں، حق کی معرفت کے لیے ایمان اور اس کے اصول وارکان اور لوازمات کا جاننا انتہائی ضروری ہے، پہلے ہم اصول ایمان بیان کرتے ہیں پھر اس کے نواقض اور اسباب کفر بیان کریں گے، اصول ایمان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ [1]

"رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کو ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا، یہ سب اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ اے مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔"

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ ﴾ [2]

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر، اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو وہ اس سے پہلے نازل کر چکا ہے، جس نے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں

---

[1] ٢/ البقرة: ٢٨٥۔ [2] ٤/ النساء: ١٣٦۔

اور روز آخرت سے انکار کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴾ [1]

’’نیکی صرف یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر (اللہ کی) کتاب پر اور رسولوں پر ایمان لائیں۔‘‘

اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک دیہاتی کے روپ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے آپ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

’’اللہ اور اس کے فرشتوں نیز اس کی نازل کردہ کتابوں اور اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی بُری تقدیر کو ماننا ایمان ہے۔‘‘ [2]

مندرجہ بالا آیات اور حدیث کے پیش نظر ایمان کے اصول و ارکان چھ ہیں:

① اللہ پر ایمان لانا ② اللہ کے فرشتوں کو تسلیم کرنا ③ اس کی کتابوں پر یقین رکھنا ④ اس کے رسولوں کو ماننا ⑤ یوم آخرت کی تصدیق کرنا ⑥ تقدیر پر ایمان رکھنا۔

تمام انبیا علیہم السلام ایمان کے انہی چھ اصولوں کی تشریح کے لیے تشریف لائے، ان کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے کتابیں نازل فرمائیں۔ ان تمام اصولوں کو ماننے سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے نیز اسی طریقہ سے تسلیم کیا جائے جیسا کہ قرآن و حدیث میں اس کی وضاحت آئی ہے۔ جو شخص ان سب کو یا ان سے کسی ایک کو تسلیم نہیں کرتا وہ دائرہ ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

واضح رہے کہ جب ایمان کا مطلق تذکرہ کیا جائے تو اس میں پورا دین شامل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد قیس کو فرمایا تھا:

---

[1] ۲/ البقرۃ: ۱۷۷۔ [2] صحیح مسلم، الایمان: ۸۔

''میں تمہیں اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔'' پھر آپ نے دریافت فرمایا: ''اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا مطلب سمجھتے ہو؟'' اس پر اہل وفد نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں اور یقیناً حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ دینا۔'' [1]

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ دل کی گہرائی سے اس بات کی پختہ تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں یکتا ویگانہ ہے، اس کی ذات موجود ہے، اس کا مد مقابل پہلے تھا نہ بعد میں ہوگا، وہی اول ہے اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے اس کے بعد کچھ نہ ہوگا، وہی ظاہر ہے اس کے اوپر کچھ نہیں، وہی باطن ہے اس کے نیچے کچھ نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا قیوم اور بے نیاز ہے۔ سورۂ اخلاص اللہ کی تعریف پر مشتمل ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ ﴾ [2]

''کہہ دیجیے! وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے، وہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوگا، اس کا کوئی مد مقابل نہیں۔''

یعنی الوہیت و ربوبیت اور اسماء وصفات میں اللہ ہی کو ایک ماننا ایمان باللہ کہلاتا ہے۔ الوہیت سے مراد یہ ہے کہ صرف وہی معبود برحق ہے اس کے علاوہ ہر معبود باطل ہے، ربوبیت سے مراد یہ ہے کہ صرف وہی پالنے والا، پیدا کرنے والا، ہر چیز کا مالک اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے اور اسماء وصفات سے مراد یہ ہے کہ اچھے سے اچھے نام سب اسی کے لیے ہیں اور اچھی سے اچھی صفات کا صرف وہی مالک ہے، اس وضاحت سے توحید کی

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان: ۵۳۔ [2] ۱۱۲/ الاخلاص: ۱۔۴۔

تین اقسام کا پتہ چلتا ہے:

① توحید الوہیت ② توحید ربوبیت ③ توحید الاسماء والصفات

توحید الوہیت کی تفصیل بایں طور پر یہ ہے کہ تمام عبادات خواہ قولی ہوں یا عملی، ظاہری ہوں یا باطنی، بدنی ہوں یا مالی یعنی ہر قسم کی عبادت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کا اقرار کرنا اور اس کے علاوہ ہر چیز کی عبادت سے احتراز کرنا توحید الوہیت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴾ [1]

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ﴾ [2]

''اور تمہارے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ صرف اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔'' [3]

اس توحید الوہیت کی ضد شرک ہے اس کی دو اقسام ہیں:

① شرک اکبر ② شرک اصغر

① شرک اکبر یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا، غیر اللہ سے ایسے محبت کرنا جیسے اللہ سے کی جاتی ہے اور اس سے ایسا ڈرنا جیسا کہ اللہ سے ڈرا جاتا ہے، مشکلات میں غیر اللہ کو پکارنا، اس سے التجا کرنا، اللہ کی مرضی کو ٹھکرا کر کسی دوسرے کی بات ماننا شرک اکبر ہے اور یہ بہت سنگین جرم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُہُ الطَّیۡرُ اَوۡ تَہۡوِیۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ مَکَانٍ سَحِیۡقٍ ﴾ [4]

---

[1] ۲۰/ طٰہٰ: ۱۴۔ [2] ۱۷/ الاسراء: ۲۳۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۳۰۔ [4] ۲۲/ الحج: ۳۱۔

''اور اللہ کے ساتھ جو شخص کوئی شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ اٹھا کر پھینک دے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ ﴾ [1]

''اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا وہ سیدھے راستہ سے بہت دور جا پڑا۔''

اس کی سنگینی کو اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ [2]

''بے شک اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر جرائم جس کے چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا تو اس نے بہت بڑا بہتان باندھا۔''

شرک ایک ایسا جرم ہے کہ اس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

2 شرک اصغر، اس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے تو خارج نہیں ہوتا البتہ اس کے ایمان میں کافی حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے اس کی کئی ایک صورتیں ہیں ہم صرف دو کا ذکر کرتے ہیں:

(ا) ریا کاری (ب) غیر اللہ کی قسم اٹھانا

(ا) ریا کاری یہ ہے کہ اللہ کے لیے کیے جانے والے کام میں محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اس میں بہتری پیدا کرنا، جس طرح توبہ کرنے سے بڑے سے بڑا جرم نیکی میں بدل جاتا ہے اسی طرح ریا کاری کرنے سے بڑی سے بڑی نیکی گناہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے جہنم میں ایسے

---

[1] ٤/ النساء: ١١٦۔ [2] ٤/ النساء: ٤٨۔

لوگوں کو ڈالے گا جو محض ریا کاری کے طور پر نیک عمل کرتے تھے۔“ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴾ [2]

”جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”میں تمہارے متعلق سب سے زیادہ جس چیز کا اندیشہ رکھتا ہوں وہ شرک اصغر ہے۔“ آپ سے پوچھا گیا کہ شرک اصغر کیا ہے تو آپ نے فرمایا: ”وہ ریا کاری ہے۔“ [3]

بلکہ آپ نے بایں الفاظ اس کی مزید وضاحت فرمائی:

”آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو محض اس لیے نماز خوبصورت کر کے پڑھے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔“ [4]

اس لیے عبادت کرتے وقت صرف اللہ کی رضا مقصود ہے لوگوں کو خوش کرنے کا خیال تک بھی دل میں نہ آنے دیا جائے۔

(ب) غیر اللہ کی قسم اٹھانا

اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانا حرام اور ناجائز ہے جیسا کہ رسول، ولی، پیر، یا فرشتے کی قسم اٹھائے، اپنے باپ دادا یا ان کی عزت و شرافت کی قسم کھائے۔ علمائے امت نے اس قسم کی قسموں کو گناہ کبیرہ سے شمار کیا ہے۔ حدیث میں ہے:

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع کیا ہے لہٰذا اگر کسی نے قسم اٹھانا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔“ [5]

اگر قسم اٹھاتے وقت غیر اللہ کی تعظیم اللہ کی تعظیم جیسی نیت میں تھی تو ایسی نیت سے غیر اللہ کی قسم اٹھانے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گا کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

---

[1] صحیح مسلم، الامارۃ: ۴۹۲۳۔ [2] ۱۸/ الکھف: ۱۱۰۔

[3] مسند امام احمد، ص: ۴۲۸، ج۵۔ [4] ابن ماجه، کتاب الزھد: ۴۲۰۴۔

[5] صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۴۲۵۷۔

ایک شخص کو بیت اللہ کی قسم اٹھاتے سنا تو بایں الفاظ حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دیا: ''جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا۔'' یا آپ نے فرمایا: ''اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔'' [1]

ان احادیث کی بنا پر ہم اپنے قارئین کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ ایسی لغو اور بے ہودہ قسموں سے اجتناب کریں جن کا اٹھانے والا کسی کبیرہ گناہ میں جا پڑتا ہے یا پھر شرک اکبر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

توحید ربوبیت: یہ توحید کی دوسری قسم ہے نزول قرآن کے وقت کافر اور مشرک بھی اس توحید کا اقرار کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صدق دل سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق ہے اور ہر چیز کا مدبر و متصرف ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اس کے فیصلے یا حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں نیز کسی معاملہ میں اس سے تکرار کرنے والا یا اسے زیر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ۝ ﴾ [2]

''کہہ دیجیے! اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے اس کا مالک کون ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے، کہو پھر تم سوچتے کیوں نہیں، ان سے دریافت کرو کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ بے ساختہ کہہ دیں گے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں کہو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں۔ کہہ دیجیے! اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی اور پناہ نہیں دے سکتا؟ فوراً کہہ دیں گے کہ ایسی بادشاہی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، ان سے کہو پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے۔''

[1] ابو داود، کتاب الایمان: ۳۲۵۱۔ [2] ۲۳/ مؤمنون: ۸۴تا۸۹۔

اس توحید کی ضد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات کی تدبیر وانتظام میں کسی دوسرے متصرف کا اعتقاد، کسی دوسرے کی شرکت کا یقین، موت وحیات، جلب منفعت یا دفع مضرت میں اس کی مخالفت کرنے پر یقین رکھنا اسی طرح کسی غیر میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا بھی توحید ربوبیت کے منافی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ﴾ ❶

''اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے علاوہ اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم سے کوئی بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ﴾ ❷

''اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔''

توحید کی تیسری قسم توحید الاسماء والصفات ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لیے جن اسماء کا انتخاب کیا ہے یا جن صفات سے خود کو متصف کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے جن اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کا تذکرہ کیا ہے اس پر ایمان لانا اور ان اسماء وصفات کو ٹھیک اسی طرح ماننا اور برقرار رکھنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے باقی رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ﴾ ❸

''اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تو اسے اس کے ناموں سے یاد کرو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔''

توحید الاسماء والصفات کی ضد یہ ہے کہ ان اسماء وصفات کا انکار کر دیا جائے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے یا ان کی اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی تاویل کر دی

❶ ۱۰/ یونس: ۱۰۷۔ ❷ ٦/ الانعام: ۵۹۔ ❸ ۷/ الاعراف: ۱۸۰۔

جائے، اس سلسلہ میں ہم چند عظیم غلطیوں کا ذکر کرتے ہیں:

1. تمثیل: دل یا زبان سے یہ کہنا کہ اللہ کی صفات بھی مخلوق کی صفات کی طرح ہیں۔
2. تکییف: دل یا زبان سے یہ کہنا کہ اللہ کی صفات یوں اور یوں ہیں۔
3. تعطیل: دل یا زبان سے اللہ کی صفات کا انکار کرنا اس کی دو انواع ہیں:

(ا) سرے سے ان تمام اسماء وصفات کا انکار کرنا یعنی کلی طور پر اس کے مفہوم و معنی سے انکار کر دیا جائے یعنی اس کا کوئی نام یا اس کی کوئی صفت نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسے ملحدین کے اقوال سے پاک ہے۔

(ب) اسماء کو تسلیم تو کر لیا جائے لیکن صفات کمال سے انکار کر دیا جائے جیسا کہ یوں کہا جائے وہ رحمٰن ورحیم ہے لیکن رحمت کے بغیر، وہ علیم تو ہے لیکن علم کے بغیر، وہ قدیر تو ہے لیکن قدرت کے بغیر وغیرہ۔

4. تاویل: صفات باری کی ایسی تاویل کر دی جائے جو اس کے شایان شان نہ ہو جیسا کہ صفت ید سے مراد طاقت یا کرسی سے مراد اقتدار وغیرہ۔

اس قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کرنے والوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [1]

"اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں تو اسے اس کے ناموں سے پکارا کرو اور جو اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کی سزا پائیں گے۔"

آخر میں ہم اس ایمان کا ثمرہ بیان کرتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان سے بندے کے دل میں اللہ کی محبت و تعظیم پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ اللہ کے احکام پر عمل پیرا رہتا ہے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرتا ہے، احکامات کی پابندی اور منہیات سے اجتناب ہی ہمارے لیے دنیا و آخرت میں کمال سعادت کا باعث ہے۔

---

[1] ۷/ الاعراف: ۱۸۰۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتے اللہ تعالیٰ کے اہل کار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے تخلیق کیا ہے۔'' [1]

فرشتے محض قوتیں نہیں ہیں جو اپنا تشخص نہ رکھتے ہوں بلکہ یہ شخصیت رکھنے والی ہستیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان سلطنت کی تدبیر و انتظام کا کام لیتا ہے یوں سمجھنا چاہیے کہ فرشتے سلطنت الٰہی کے کارندے ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں۔ جاہل لوگوں نے انہیں اللہ کی فرمانروائی میں حصہ دار خیال کیا اور بعض نے انہیں اللہ تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھا اور دیوتا کے طور پر ان کی پرستش شروع کر دی۔ ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے وجود کا اقرار کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کے پروردہ اور تابع فرمان ہیں ہر چند کے فرشتے ایک غیبی مخلوق ہیں لیکن ثقہ راویوں کی سچی خبروں، حضرات انبیا علیہم السلام کی تعلیمات یا اثرات کے مشاہدے سے جہاں دیگر چیزوں کا علم ہوتا ہے وہاں فرشتوں کے متعلق بھی بخوبی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا۟ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ ﴾ [2]

''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا، کیا تو زمین میں ایسی ہستی کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزی کرے گا؟''

یہ آیت کریمہ فرشتوں کے وجود کی زبردست دلیل ہے بایں طور کہ اگر اس نام کی مخلوق نہ ہوتی تو انہیں کیوں مخاطب کیا جاتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور ان کے مستحق خلافت ہونے کے فرشتے قائل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحیح مسلم، الزھد: ۲۹۹۶۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۳۰۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ﴾ [1]

"اور جب فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب سجدہ میں گر پڑے۔"

فرشتوں کو حکم دینا اور ان کا سجدہ میں گر جانا ان کے وجود کی دلیل ہے۔ اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتایا کہ یہ مخلوق ان اوصاف سے بالاتر ہے اور وہ اللہ کے معزز عبادت گزار بندے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ إِنٰثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهٰدَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُونَ ۝﴾ [2]

"اور ان کفار نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں عورتیں قرار دے رکھا ہے کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت وہاں موجود تھے؟ ان کی ایسی شہادت ضرور لکھی جائے گی اور ان سے باز پرس بھی ہوگی۔"

یہ بھی فرشتوں کے وجود اور ان کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں جن سے ان کے وجود کی کھلے طور پر شہادت ملتی ہے، اب چند ایک احادیث کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

☆ "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے۔" [3]

☆ "انسانوں کو جس چیز سے تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی اس سے اذیت پہنچتی ہے۔" [4]

☆ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ زمین میں گشت کرتے ہیں۔" [5]

☆ "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو! فرشتے بھی آسمانوں میں آمین کہتے ہیں۔" [6]

---

[1] ٢/ البقرة: ٣٤۔ [2] ٤٣/ الزخرف: ١٩۔

[3] صحيح بخاری، بدء الخلق: ٣٢٢٥۔ [4] صحيح مسلم، المساجد: ١٢٥٢۔

[5] مسند امام احمد، ص ٤٥٢ ج١۔ [6] ابو داود، الصلوة: ٩٣٦۔

فرشتے اللہ کی مخلوق کے ساتھ ساتھ اس کی عبادت میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ ﴾ [1]

''فرشتے اللہ کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ ہی اکتاتے ہیں، دن رات اس کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝ ﴾ [2]

''جو فرشتے تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے، اس کی تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے آگے سربسجود ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ ﴾ [3]

''وہ اس کے عزت والے بندے ہیں اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ ﴾ [4]

''اللہ تعالیٰ جو انہیں حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانوں کی طرح فرشتوں میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے

---

[1] ۲۱/ الانبیاء: ۱۹، ۲۰۔ [2] ۷/ الاعراف: ۲۰۶۔

[3] ۲۱/ الانبیاء: ۲۶، ۲۷۔ [4] ۶۶/ التحریم: ۶۔

چنانچہ بعض فرشتوں کو دوسرے فرشتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ [1]

''حضرت مسیح (علیہ السلام) ہرگز اس بات کو اپنے لیے عار خیال نہیں کرتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (اس سے عار رکھتے ہیں)۔''

بعض فرشتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ قیامت کے دن وہ عرش الٰہی کو تھامے ہوں گے، فرمان ربانی ہے:

﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ [2]

''اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔''

مقرب ترین فرشتوں میں حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں، ان میں سب سے برگزیدہ اور مقرب حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کا لقب روح القدس ہے، فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ بھی حصہ ہے کہ اللہ کریم نے انہیں ہماری آنکھوں سے اوجھل کر رکھا اس لیے ہم ان کا اس کھلی آنکھ سے مشاہدہ نہیں کر سکتے اس کے باوجود ہم انہیں ایک مخلوق کے طور پر مانتے ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے لیے انہیں ظاہر بھی کر دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی حقیقی شکل میں دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور انہوں نے آسمان کے بالائی کنارے کو ڈھانپ رکھا تھا رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک دفعہ سدرۃ المنتھیٰ کے پاس دیکھا جس کی سورۃ النجم میں وضاحت ہے اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک دفعہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ایک کامل بشر کی صورت میں آئے تھے اور حضرت مریم علیہا السلام نے ان سے گفتگو بھی کی تھی اور انہوں نے اس کا جواب دیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ [3]

---

[1] ٤/ النساء: ١٧٢۔ [2] ٦٩/ الحاقة: ١٧۔ [3] ١٩/ مریم: ١٩۔

”فرشتے نے کہا میں تو تمہارے پروردگار کا فرستادہ ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔“

نیز حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک اجنبی شخص کی شکل میں تشریف لائے جس کا لباس انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے اور ان پر سفر کے آثار بھی دکھائی نہ دیتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اسے کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا: ”یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔“ [1]

فرشتے اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے سراسر غیبی مخلوق ہیں، قرآن وحدیث کی تصریحات میں بے شمار اوصاف وخواص کا پتہ چلتا ہے جو ان کے اندر پائے جاتے ہیں ان پر ایمان لانا نیز ان کے کوائف وخدمات کی تصدیق کرنا ضروری ہے لہٰذا ہم فرشتوں کے متعلق چند اوصاف وخواص کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں:

1. فرشتے چونکہ نور سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے بشری حوائج جن سے ہر انسان دوچار ہوتا ہے فرشتے ان سے مبرا ہیں نہ وہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں نہ آرام کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے اندر گناہ کی طاقت ہوتی ہے بس اللہ کا ذکر ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، اس کی بندگی ان کی غذا ہے اور اس کی حمد وثنا ان کا ہر وقت مشغلہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾ [2]

”وہ دن رات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کسی وقت اسے موقوف نہیں کرتے۔“

2. اپنی لطافت ونفاست، طاقت وقوت اور ہمہ وقت عبادت میں انہماک کے باوجود ان میں کبر وغرور اور عجب وخود پسندی جیسی کوئی ناپسندیدہ عادت نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

[1] مسلم، الایمان: ۱۔ [2] ۲۱/ الانبیاء: ۲۰۔

﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾ [1]

''آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں سب اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور ذرا بھر تکبر نہیں کرتے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر (غالب) ہے اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔''

3 شرم وحیا اس مخلوق کا امتیاز ہے فرشتے اس کا اظہار بایں طور کرتے ہیں جیسا کہ اللہ نے انہیں توفیق بخشی ہے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اندر بے پناہ حیا کا مادہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں ایسے شخص سے کیوں شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔'' [2]

4 جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کے اندر بھی احساس اذیت موجود ہے انہیں بھی اذیت ناک چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''کوئی شخص پیاز، لہسن، اور گندنا کھا کر ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت محسوس کرتے ہیں۔'' [3]

5 فرشتے اللہ کے پسندیدہ انسانوں سے محبت کرتے ہیں اور اس محبت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ فرمان نبوی ہے:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

---

[1] ١٦/ النحل: ٤٩، ٥٠۔ [2] صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: ٦٢٠٩۔

[3] صحیح مسلم، المساجد: ١٢٧٢۔

کہ آسمانوں میں اس بندے کی محبت عام ہو جاتی ہے پھر جو کوئی آسمانوں میں محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔'' [1]

6 فرشتے نیک بندوں کے لیے دعائے بخشش کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴾ [2]

''فرشتے ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں کہ اے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے رستے پر چلے تو انہیں بخش دے اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لے۔''

7 جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور باغی ہیں جن پر اللہ کی لعنت برستی ہے فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ ﴾ [3]

''بے شک جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا اور اس حالت میں ہی انہیں موت آ گئی تو ایسے لوگوں پر اللہ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اس لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی۔''

اب ہم فرشتوں کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہم اس عظیم ترین مخلوق کی جسامت کے متعلق اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا تھا کہ ان کے چھ سو پر تھے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا

---

[1] بخاری، التوحید: ۷۴۸۵۔ [2] ٤٠/ غافر: ۷۔ [3] ۲/ البقرۃ: ۱٦۱، ۱٦۲۔

ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دی کہ عرش کو تھامنے والے فرشتوں سے گفتگو کروں ان میں سے ایک فرشتے کے دونوں پاؤں زمین کے نچلے حصے کو چھو رہے تھے اور عرش اعظم اس کے سر پر رکھا ہوا تھا اس کے ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اگر کوئی پرندہ پرواز کرے تو اسے ستر ہزار سال کی مدت درکار ہے وہ فرشتہ یہی کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری ہی حمد کرتا ہوں۔'' [1]

اب ہم فرشتوں کی چند خدمات کا ذکر کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں:

☆ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس بھی کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت و امانت کو بطور خاص بیان فرمایا ہے، آسمانی سفارت کو حضرات انبیا علیہم السلام بلا کم و کاست پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ ﴾ [2]

''یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے اس کو تمہارے دل پر روح الامین نے صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ آپ خبردار کرنے والوں سے ہو جاؤ۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام معراج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے اور آسمانوں پر تعینات فرشتوں سے آپ کا تعارف کراتے تھے، جیسا کہ متعدد احادیث میں ذکر آتا ہے۔

☆ بارش اور مخلوق کو روزی پہنچانے کا کام حضرت میکائیل علیہ السلام کے حوالے ہے۔

☆ حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

☆ روح قبض کرنے کا کام حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ہے۔ فرشتۂ موت حضرت عزرائیل کے معاونین دو قسم کے فرشتے ہیں، یعنی فرشتہ رحمت اور فرشتہ عذاب، یہ دونوں قسم کے فرشتے، فرشتہ اجل کے خصوصی معاون ہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ﴾ [3]

---

[1] ابو داود، السنة: ٤٧٢٧۔ [2] ٢٦/ الشعراء: ١٩٢۔١٩٤۔ [3] ٦/ الانعام: ٦١۔

''جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔''

☆ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش عظیم کو فرشتوں نے اٹھایا ہوگا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [1]

''جو فرشتے اللہ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر ان کی تعداد کو متعین فرمایا:

﴿ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴾ [2]

''اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

کچھ فرشتے جنت کے دربان ہوں گے، حور و غلمان اور جنت کے جملہ امور کی نگرانی انہیں کے ذمہ ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ ﴾ [3]

''اور رحمت کے فرشتے ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تو کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے۔''

☆ دوزخ پر جو فرشتے تعینات ہیں ان کی تعداد انیس ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل دوزخ کو عذاب دینے پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] ٤٠/ مومن:٧۔ [2] ٦٩/ الحاقة: ١٧۔ [3] ١٣/ الرعد: ٢٣، ٢٤۔

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ❶

"اس جہنم پر انیس فرشتے مقرر ہیں اور ہم نے دوزخ کے نگران فرشتے ہی بنائے ہیں اور ان کی گنتی کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے۔"

جہنم کے انیس فرشتوں کے سردار کا نام مالک ہے۔ دوزخیوں کی چیخ و پکار نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ۝﴾ ❷

"اور وہ (دوزخ کے نگران کو) پکاریں گے کہ اے مالک! تیرا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کر دے، وہ جواب دے گا کہ بے شک تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔"

☆ اللہ تعالیٰ کے کچھ برگزیدہ فرشتے ایسے ہیں جو انسانی اعمال و کردار کو لکھنے پر مامور ہیں دائیں کندھے پر نیکی اور بائیں کندھے پر بدی کا اندراج کرنے والے فرشتے مقرر ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝﴾ ❸

"بے شک تم پر نگران فرشتے مقرر ہیں جو معزز اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔"

☆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دن رات انسانوں اور ان کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بہت سی آفتوں اور مصیبتوں سے انہیں محفوظ رکھتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ﴾ ❹

"انسان کے آگے اور پیچھے اللہ کی طرف سے چوکیدار مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔"

❶ ۷۴/ المدثر: ۳۰، ۳۱۔ ❷ ۴۳/ الزخرف: ۷۷۔

❸ ۸۲/ الانفطار: ۱۰، ۱۱، ۱۲۔ ❹ ۱۳/ الرعد: ۱۱۔

☆ کچھ فرشتوں کے ذمہ پہاڑوں کی نگرانی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا اے اللہ کے رسول! اگر ارشاد ہو تو ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کو ملا کر ان (طائف) کے گستاخوں کو چکنا چور کر دوں۔“ [1]

☆ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گشت کرتے ہیں جہاں مجالس ذکر ہوتی ہیں انہیں اپنے رحمت کے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا پڑھا جانے والا درود وسلام آپ تک پہنچاتے ہیں۔ [2]

☆ شکم مادر کے اندر رحم پر اللہ کے فرشتے تعینات ہیں جو بچے کی عمر، اس کا رزق، اس کی جنس اور اچھا یا برا ہونا لکھتے ہیں، احادیث میں اس کا ذکر آتا ہے۔

☆ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو فرشتے اس کی روح لے کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، نیک روح کو علیین میں اور بری کو سجین میں پہنچا دینے پر مامور ہیں۔

☆ جب آدمی مر جاتا ہے تو دو فرشتے اس سے تین سوال کرنے پر مامور ہیں، تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟

الغرض فرشتوں کی خدمات کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ کائنات علیا اور سفلی کا نظام فرشتوں کے سپرد ہے وہ تعداد میں اتنے ہیں کہ ان کی تعداد اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”زمین ان سے اٹی ہوئی ہے اور یہ ہونا ہی چاہیے اس لیے کہ زمین میں چار انگشت کے برابر جگہ بھی باقی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ زمین پر سر رکھے اللہ کے حضور سجدہ نہ کر رہا ہو۔“ [3]

فرشتوں کی جائے عبادت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کو فرشتوں سے تعمیر کروایا جس

---

[1] صحیح بخاری، بدء الخلق: ٣٢٣١۔ [2] مسند امام احمد، ص: ٣٨٧ ج ١۔

[3] مسند امام احمد، ١٧٣/ ٥۔

میں عبادت کرنے سے ثواب دوچند ہو جاتا ہے اسی طرح آسمانوں پر ایک بیت معمور ہے جو فرشتوں کے لیے خانہ کعبہ کی حیثیت رکھتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں جو فرشتہ ایک دفعہ داخل ہو جاتا ہے پھر قیامت تک اس میں داخل ہونے کا اسے موقع نہیں ملے گا کیونکہ وہ وہاں کثیر تعداد میں اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانے کے کئی ایک فوائد ہیں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

1. اس سے فرشتوں کے خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت، طاقت اور غلبہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔
2. اللہ تعالیٰ کا اس خصوصی عنایت پر شکریہ ادا کرنا کہ اس نے اپنے بندوں پر فرشتوں کو تعینات کر رکھا ہے جو ان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال و کردار کو بھی قلمبند کرتے ہیں۔
3. فرشتوں کے ساتھ محبت والفت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت پورے انہماک سے کرتے ہیں اور اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

آسمانی کتابوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی رشد و ہدایت کے لیے بے شمار انتظامات کیے ہیں۔ اسے علم و عقل کی صلاحیتیں دینے کے ساتھ ساتھ اسے ایک اخلاقی حس دی گئی ہے جس کی بدولت وہ فطری طور پر بھلائی اور برائی میں امتیاز کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ضمیر نامی ایک چیز رکھ دی ہے جو اسے ہر اس موقع پر ٹوکتی ہے جب وہ برائی کرنے والا ہو یا کر رہا ہو یا کر چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہی ذرائع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی راہنمائی کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور اپنی طرف سے پاکیزہ تعلیمات پر مبنی کتابیں نازل فرمائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ [1]

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ مبعوث کیا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی کتاب سے نوازا جس میں وہ تمام پاکیزہ تعلیمات درج تھیں جو انسان کی راہنمائی کے لیے درکار ہیں تاکہ لوگ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کریں۔

اللہ کی تعلیمات کو کتابی شکل میں اس لیے اتارا گیا کہ ہر نبی کے لیے وقت کی ایک اہم ضرورت تھی کہ وہ اپنی قوم کے سامنے احکام الٰہی کو پیش کرے نیز قانون الٰہی کی حفاظت اور اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر یہ امر ضروری تھا، اس لیے بھی انہیں کتابی شکل دی گئی تاکہ اللہ کے بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہو کیونکہ دستاویزی ثبوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا جبکہ زبانی بات سے انحراف کوئی مشکل نہیں ہے۔ ان کتابوں پر ایمان لانا بنیادی عقائد میں شامل ہے اور اصول ایمان میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ۵۷/ الحدید: ۲۵۔

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِيٓ أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط ﴾ [1]

''مومنو! اللہ پر، اس کے رسول پر، جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی ہیں ان سب پر ایمان لاؤ۔''

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُولُوٓا آمَنَّا بِاللهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ إِلٰىٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَآ أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَّبِّهِمْ ج لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ز وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ ﴾ [2]

''مسلمانو! تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر یعنی سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے لیے مسلمان ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ مِنْ كِتٰبٍ ج ﴾ [3]

''اے نبی! آپ کہہ دیں کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔''

حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس سوال پر کہ ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھو اور ہر طرح کی اچھی بری تقدیر کو دل سے تسلیم کرو۔'' [4]

قرآن مجید میں اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ جملہ کتب سماویہ پر عموماً اور قرآن

[1] ٤/ النساء: ١٣٦۔ [2] ٢/ البقرة: ١٣٦۔

[3] ٤٢/ الشورىٰ: ١٥۔ [4] صحيح مسلم، الايمان: ١۔

کریم پر خصوصاً ایمان لانا فرض ہے اگر دل و دماغ کے کسی گوشہ میں ان کی تکذیب یا ان کے متعلق کسی قسم کا باطل عقیدہ چپکا رہا تو پھر ایمان کی خیر نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ [1]

''اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانی رشد وہدایت کے لیے متعدد کتابیں نازل فرمائیں ان میں سب سے آخری کتاب قرآن مجید ہے، اس قرآن مجید سے راہنمائی لینے کے لیے قرآن کے آغاز میں چند شرائط کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی ان تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرے جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور آپ سے پہلے دیگر انبیا علیہم السلام پر مختلف زمانوں اور زبانوں میں نازل کیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ [2]

''یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت کا راستہ کھولتی ہے، جو اس کتاب پر ایمان لائیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں کو بھی برحق تسلیم کریں جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں۔''

اس آیت کریمہ سے منزل من اللہ کتابوں پر ایمان لانے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر قرآن کریم کی ہدایت کا دروازہ بند ہے۔ ان کتابوں کے اتارنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں نے زندگی بسر کرنے کے لیے جو راستے از خود ایجاد کر لیے ہیں ان کے سامنے اس راہ ہدایت کو واضح کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے متعین کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ ﴾ [3]

---

[1] ٤/ النساء: ١٣٦۔ [2] ٢/ البقرة: ٤۔ [3] ٢/ البقرة: ٢١٣۔

''ان انبیا کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تا کہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے وہ ان کا فیصلہ کرے۔''

ان کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ صدق دل سے اس بات کی تصدیق کرنا کہ یہ تمام کتابیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں ان کتابوں کی عبارت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حقیقی معنی میں کلام کیا ہے اور بعض کتابوں کو تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا ہے چنانچہ تورات کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ [1]

''اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔''

اللہ کی کتابوں سے مراد اس کے احکام اور فرمودات کے وہ مجموعے ہیں جو ہر زمانے کے نبی اور رسول پر نازل ہوئے اور ترتیب پا کر اور آسمانی کتابوں کے نام سے دنیا کے سامنے آتے رہے جیسا کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم ہے اور کچھ فرمودات ایسے ہیں جو یکجا جمع نہ ہوئے اور وہ متفرق صحیفوں کے نام سے مشہور ہوئے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے جن کا قرآن کریم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

انسانی تاریخ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ قدیم آسمانی صحیفوں کے مضامین اور ان کے حقائق کا صحیح سراغ کہیں مل سکتا ہے تو صرف قرآن کریم میں مل سکتا ہے۔

چند آسمانی کتابوں کی تفصیل اور صحیفوں کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس کی تفصیل و تذکرہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ مومن ان کتابوں پر اس تفصیل سے ایمان رکھے جس طرح ان کا ذکر مفصل طور پر ہوا ہے اور جن کتابوں یا صحیفوں کا ذکر قرآن پاک نے سرسری طور پر کیا ان پر اجمالی ایمان رکھے اور ان کی تفصیل میں خود کودنے کے بجائے اسے اپنے اللہ کے حوالے کرے، نجات اور احتیاط کا یہی تقاضا ہے۔

ان آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا تعارف پیش خدمت ہے:

[1] ۷/ الاعراف: ۱۴۵۔

تورات

عبرانی زبان کا یہ لفظ شریعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مذہبی لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں، عام طور پر یہودیوں کی اصطلاح میں تورات سے مراد بائیبل کے پرانے عہد نامے کی ابتدائی پانچ کتابیں ہیں جن کے نام یہ ہیں:

پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء۔

عیسائیوں کی اصطلاح میں بائیبل کے پرانے عہد نامے کی تمام کتابوں کو تورات کا نام دیا جاتا ہے خواہ وہ انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں ہوں یا ان کے ملوک وسلاطین کی داستانیں اور کہانیاں۔

بعض عیسائی پرانے اور نئے عہد نامے کو تورات سے موسوم کرتے ہیں۔

بعض مسلمان بھی عہد قدیم کی کتب کو تورات کا نام دیتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کو تورات میں بایں الفاظ میں پایا:

> ”اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت سنانے والا، خبردار کرنے والا اور اُمی عربوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ نہ بدمزاج ہیں اور نہ ہی سنگ دل اور نہ بازاروں میں ہنگامہ برپا کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں بلکہ آپ معافی اور درگزر سے کام لینے والے ہیں۔“ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف حمیدہ تورات کے حوالہ سے بیان کیے ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی موجودہ تورات میں نہیں ملتے بلکہ ان کے بعد آنے والے کسی نبی کے الفاظ ہیں، مسلمانوں کے نزدیک تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ٤٨٣٨۔

سال کے دوران ان پر نازل ہوئے ان میں سے دس احکام وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیئے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ [1]

''اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کر دے دی۔''

تورات کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴾ [2]

''ہم نے تورات نازل کی، جس میں ہدایت اور روشنی تھی تمام انبیا جو مسلم تھے اس کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح ربانی اور احبار بھی کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس اے گروہ یہود! تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر فروخت کرنا چھوڑ دو، جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔''

اسی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ علمائے اہل کتاب کو تورات کی حفاظت ونگہداشت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ نہ صرف اپنی خواہشات کے مطابق کلام الٰہی کے معانی کو بدل ڈالا بلکہ یہ بھی ظلم ڈھایا کہ اپنی تراشیدہ تفسیروں، اپنے اوہام وقیاسات، قومی قصے کہانیوں، خیالی فلسفوں اور اپنے اجتہاد سے کشید کردہ فقہی قوانین کو کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ ان تمام ''اسفار لھو الحدیث'' کو لوگوں کے سامنے اس انداز

[1] ۷/ الاعراف: ۱٤۵۔ [2] ۵/ المائدۃ: ٤٤۔

سے پیش کیا گویا یہ سب اللہ کی طرف سے نازل شدہ پاکیزہ صحائف ہیں، ہماری موجودہ ''بائیبل مقدس'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر تاریخی افسانہ، ہر فقیہ کا قانونی اجتہاد، ہر مفسر کی تفسیر اور ہر متکلم کا پیش کردہ عقدۂ لاینحل، اللہ کا قول بن کر رہ گیا اور اس پر ایمان لانا ایسا فرض قرار دے دیا گیا کہ اس سے انحراف دین سے انحراف ٹھہرا، قرآن پاک میں یہودیوں کے اس گندے کردار کو خوب بیان کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [1]

''پس ہلاکت وتباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔''

اس مناسبت سے موجودہ تورات میں اللہ تعالیٰ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو گوہر افشانی کی گئی ہے اسے قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:

☆ انسان کو اللہ کی شبیہ قرار دیا گیا۔ (نعوذ باللہ) چنانچہ لکھا ہے: ''پھر خدا نے کہا ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں۔'' [2]

☆ ذات باری کی طرف تھکاوٹ پھر آرام کی ضرورت منسوب کی گئی ہے۔ [3]

☆ تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ [4]

اس طرح اللہ کے فرستادہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی تورات میں بہت ہرزہ سرائی کی گئی ہے ان کے حالات میں مے نوشی، دروغ گوئی، دھوکہ، زنا، قتل ناحق اور کفر و بت پرستی کے واقعات بیان کیے ہیں "مشتے از خروارے" کے طور پر چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

☆ نوح کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے انگور کا ایک باغ لگایا، اس نے اس کی مے

[1] ۲/ البقرة: ۷۹۔ [2] پیدائش باب اول: ۳۶۔

[3] پیدائش باب ثانی: ۱، ۲، ۳۔ [4] پیدائش باب ۶، ۷۔

پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا۔ [1]

☆ بیٹیوں نے اپنے باپ (لوط) کو مے پلائی پھر پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پھر چھوٹی نے بھی ایسا ہی کیا...... سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ [2]

☆ شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کہ وہ العام کی بیٹی جوحتی اوریاہ کی بیوی ہے پھر داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی۔ [3]

☆ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا تھا۔ [4]

قاری کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب صورت حال یہ ہے تو قرآن کس تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا﴾ [5]

”اے محمد! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگران ہے۔“

اصل حقیقت یہ ہے کہ تورات ”اسفار خمسہ“ کا نام نہیں ہے بلکہ اصل تورات جس کی قرآن تصدیق کرتا ہے وہ اس کے اندر مندرج ہے موجودہ بائبل کی پہلی سترہ کتب بنی اسرائیل کی تاریخ پر مشتمل ہیں پھر چار کتابیں یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثناء میں حضرت

[1] پیدائش باب: ۹، ۲۰، ۲۱۔ [2] پیدائش باب ۱۹، ۳۶۔ [3] ۲ سموئیل باب گیارہ: ۲، ۳، ٤۔ [4] سلاطین باب گیارہ: ۵۔ [5] ٥/ المائدۃ: ٤٨۔

موسیٰ علیہ السلام کی سیرت بیان کی گئی ہے، اسی سیرت موسیٰ میں تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئی ہیں جو اس وقت کے مرتبین کو دستیاب ہو سکیں، ہم انہیں اس علامت سے پہچان سکتے ہیں جہاں کہیں بائیبل کا مصنف کہتا ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے یہ فرمایا یا موسیٰ علیہ السلام نے کہا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے اصل تورات کا ایک جزو شروع ہوتا ہے اور جہاں سیرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر شروع ہو جاتی ہے وہاں وہ جزو ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن انہیں منتشر اجزا کو ''تورات'' کہتا ہے اور ان کی وہ تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان منتشر اجزا کو جمع کر کے جب قرآن کریم سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم قارئین کرام سے کتاب ''تقابل ثلاثہ'' کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں جو مناظر اسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف ہے جس میں انہوں نے تورات، انجیل اور قرآن مجید کی تعلیمات کا تقابل کیا ہے۔

قرآن کریم نے اس کتاب کو امام، رحمت اور واضح تعلیمات پر مشتمل کہا ہے اور اسے اہل دانش کے لیے ہدایت اور نصیحت قرار دیا۔ بنی اسرائیل کو اسی کتاب کا وارث بنایا گیا جب بنی اسرائیل نے اس پر ایمان رکھا اور صبر و استقامت سے اس پر جمع رہے انہیں دنیا میں سیادت و قیادت حاصل رہی، تمام انبیائے بنی اسرائیل اس کے پیرو تھے، پھر اس کے ماننے والے خود شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔ بالآخر لعنت و بدبختی ان کا مقدر بن گئی۔

انجیل

معنوی لحاظ سے یہ یونانی زبان کا لفظ بشارت وخوشخبری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اللہ کی اس کتاب کو انجیل کہا جاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جس کے متعلق قرآن کریم میں بایں الفاظ تبصرہ کیا گیا ہے:

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ [1]

[1] ٥/ المائدۃ: ٤٦۔

"اور (عیسیٰ علیہ السلام کو) ہم نے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی کتاب ہے تصدیق کرتی ہے اور پرہیزگاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔"

عیسائی دنیا میں عہد جدید کی چار کتابوں کو انجیل کہا جاتا ہے جو انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا کے نام سے مشہور ہیں، یہ چاروں کتابیں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مرتب کی گئیں۔ دراصل انجیل ان الہامی خطبات اور اقوال کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بحیثیت نبی ارشاد فرمائے وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے گئے یا نہیں، اس کے متعلق ہمارے پاس معلومات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کرلیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے عقیدت مندوں نے انہیں زبانی یاد کررکھا ہو، بہرحال ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت طیبہ پر رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کردیئے گئے جو اناجیل کے مرتبین تک زبانی روایات اور تحریری مواد کے ذریعے پہنچے تھے آج ہمارے پاس ان مصنفین کے اپنے کلام سے ان ارشادات عیسوی کو ممیّز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا یا آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزا ہیں اور قرآن انہیں اجزا کو انجیل کے نام سے موسوم کرتا ہے اور انہیں فرمودات کی قرآن تصدیق کرتا ہے۔

بائیبل میں جن چار انجیلوں کو معتبر اور قانونی قرار دیا گیا ہے وہ مجموعہ تضادات ہیں البتہ انجیل برنا باس اس قسم کے تضادات سے پاک ہے جو اناجیل اربعہ میں پائے جاتے ہیں، لیکن مسیحی دنیا میں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس کا انکار کیا جاتا ہے بلکہ اسے کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے پر زور لگایا جاتا ہے حالانکہ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک ایک نبی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ انبیائے سابقین کی تصدیق کرتے ہیں، توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق ہی عقائد پیش کرتے ہیں جن کی

تعلیم انبیا نے دی، آخرت وقیامت اور جنت ودوزخ کے متعلق انجیل برناباس کی تعلیمات وہی ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ انجیل برناباس بازار سے دستیاب ہے قارئین کو چاہیے کہ وہ اس کا مطالعہ کریں تا کہ قرآنی حقائق اور عیسوی تعلیمات میں موازنہ کرنے میں آسانی رہے۔

زبور

زبور اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی جو دعاؤں اور مناجات پر مشتمل ہے اس کتاب کا خاص امتیازی پہلو یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں یہی ایک کتاب منظوم شکل میں ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے نغمات ہیں، موجودہ بائیبل کے مجموعہ میں شامل ہے اگرچہ زبور کو تورات کے دوسرے صحیفوں ہی کے درجہ میں رکھنا قرین قیاس ہے اور اس میں کمی وبیشی کا امکان بھی ہے تاہم اس کے پڑھنے سے سینہ ایمان وتوکل سے لبریز ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ بایں الفاظ ذکر فرمایا:

> ''حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی قراءت کو بہت ہلکا کر دیا گیا تھا وہ حکم دیتے کہ میری سواری پر زین وغیرہ رکھی جائے پھر خود پڑھنے میں مشغول ہو جاتے سواری کا کام مکمل ہوتے ہوتے وہ اپنی کتاب پوری پڑھ لیتے تھے۔'' [1]

قرآن مجید میں وضاحت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حمد وثنا پر مشتمل زبور کی تلاوت کرتے تو ان کی بلند اور سریلی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے تھے، پرندے ٹھہر جاتے تھے اور ایک سماں بندھ جاتا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ ﴾ [2]

> ''داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے۔''

اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو غیر معمولی طور پر خوش آواز تھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے

---

[1] بخاري، التفسير: ٤٧١٣۔ [2] ٢١/ الانبياء: ٧٩۔

گزرے تو ان کی آواز سن کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک سنتے رہے جب وہ اپنی قراءت ختم کر چکے تو آپ نے فرمایا: ''اس شخص کو حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ایک حصہ ملا ہے۔'' [1]

قرآن کریم میں تین مقامات پر اس کتاب مقدس کا تذکرہ ہے دو جگہ پر نکرہ ہے جو اس کتاب تفخیم شان کے لیے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ﴾ [2]

''ہم نے داؤد کو زبور بھی عنایت کی تھی۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ﴾ [3]

''ہم نے پیغمبروں کو ایک دوسرے پر برتری عنایت کی اور داؤد کو زبور سے نوازا۔''

ایک مقام پر اس کتاب کا تذکرہ معرفہ کے طور پر ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ﴾ [4]

''اور ہم نے نصیحت (کی کتاب تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ہی ملک کے وارث ہوں گے۔''

اس آیت کریمہ میں زبور کے حوالہ سے جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ یوں تو زبور میں جگہ جگہ بیان ہوتی ہے کہ زمین کے وارث تو اللہ کے نیک بندے ہی ہوں گے لیکن عہد قدیم میں موجود زبور کا باب ۳۷ تو پورے کا پورا گویا صرف اس ایک حقیقت کی وضاحت کے لیے مخصوص ہے۔ اس مناسبت سے ہم قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس باب کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ قرآن کے حوالہ کی صحت و صداقت واضح ہو جائے۔

---

[1] مسند امام احمد، ۳۶۹، ج:۲۔ [2] ٤/ النساء: ١٦٣۔

[3] ١٧/ الاسراء: ٥٥۔ [4] ٢١/ الانبياء: ١٠٥۔

صحائف

صحائف صحیفہ کی جمع ہے۔ صحیفے زیادہ تر نصائح اور اخلاقی ہدایات پر مشتمل ہوتے تھے جب کہ کتاب پوری شریعت لے کر آتی تھی قرآن کریم میں دو مقامات پر حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے، یہ آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ میں بھی ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا، صرف قرآن کریم میں ان کی تعلیمات کے بعض اجزا نقل کیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۙ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۠ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۠ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۙ وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ۙ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۭ ﴾ [1]

”کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں اور اس ابراہیم کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہیں؟ جس نے وفا کا حق ادا کر دیا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں مگر جس کی اس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی اور اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی اور یہ کہ آخر کار پہنچنا تیرے رب ہی کے پاس ہے اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا اور یہ کہ اسی نے موت دی اور اسی نے زندگی بخشی اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے اور یہ کہ دوسری زندگی بخشنا بھی اسی کے ذمہ ہے

[1] ٥٣/ النجم: ٣٦، ٥٢۔

اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور جائیداد بخشی اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا اور ثمود کو ایسا مٹایا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا کیونکہ وہ تھے ہی سخت ظالم وسرکش لوگ۔''

دوسرا مقام جہاں ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کے حوالہ سے کچھ اجزاذ کر ہوئے ہیں۔

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ ﴾ [1]

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی، مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

قرآن کریم کے ان حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفے بلند اخلاقی تعلیمات کے حامل تھے۔

قرآن کریم

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ لازوال کلام ہے جسے حضرت جبرئیل کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ ﴾ [2]

''اور یہ قرآن پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے اس نے تمہارے دل پر القا کیا ہے۔''

قرآن کریم ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک ہے اور باطل کسی طرف سے بھی اس

[1] ٨٧/ الاعلیٰ: ١٤تا١٩۔ [2] ٢٦/ الشعراء: ١٩٢، ١٩٣۔

میں راہ نہیں پا سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ ﴾ [1]

''بلاشبہ یہ قرآن ایک عالی مرتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور یہ کتاب دانا اور ستودہ صفات والے کی طرف سے نازل شدہ ہے۔''

قرآن کریم ان لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا دروازہ کھولتا ہے جو اس میں دلچسپی رکھتے ہیں غفلت شعار لوگوں کے لیے اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ ﴾ [2]

''ان سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے یہ قرآن کانوں کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے۔''

قرآن کریم سابقہ کتب ربانی کی تعلیمات کا محافظ و نگران ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ [3]

''اے پیغمبر! ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان سب پر محافظ و نگران بھی ہے۔''

قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾ [4]

---

[1] ٤١/ حٰم السجدة: ٤١، ٤٢۔ [2] ٤١/ حم السجدة: ٤٤۔

[3] ٥/ المائدة: ٤٨۔ [4] ١٥/ الحجر: ٩۔

''ہم نے اس ذکر کو اتارا اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

قرآن کریم اس لیے نازل ہوا ہے کہ ظاہر و باطن میں اس کی اتباع کی جائے۔
ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [1]

''یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے انتہائی بابرکت ہے پس تم اس کی پیروی کرو اور اللہ سے ڈرو۔''

آداب وحقوق

قرآن کریم کے کئی ایک آداب وحقوق ہیں جنہیں بجالانا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے چند ایک حسب ذیل ہیں:

☆ قرآن کریم کی صحیح تلاوت کرنا انتہائی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ آپ قرآن کو ترتیل سے پڑھیں۔ [2]

☆ قرآن کریم سمجھنا اور سمجھانا بھی ایک مسلمان کا فریضہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی سے ہے کہ وہ کتاب کی تعلیم دیتے ہیں نیز آپ نے فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھتا اور سکھاتا ہے۔'' [3]

☆ اس پر غور وفکر کرنا انتہائی ضروری ہے جو لوگ اس پر تدبر کی نعمت سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا سخت نوٹس لیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔'' [4]

☆ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا دینی اور دنیاوی سعادت کا باعث ہے جو لوگ بدعملی کا شکار ہیں اللہ نے انہیں گدھے سے تشبیہ دی جس پر علم وحکمت کی کتابیں لادی ہوئی ہوں۔ [5]

☆ قرآن کریم کی ہدایات کو دوسروں تک پہنچانا بھی فرائض رسالت سے ہے اور امت اس فریضہ کی پابند ہے۔

---

[1] ٦/ الانعام: ١٥٥۔ [2] ٧٣/ المزمل: ٤۔ [3] صحیح بخاری، فضائل القرآن: ٥٠٢٧۔

[4] ٤٧/ محمد: ٢٤۔ [5] ٦٢/ الجمعۃ: ٥۔

آخری گزارش

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسی کتاب عطا فرمائی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا وآخرت کی خیر وبرکات کو حاصل کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ بہت سی اقوام کو اس قرآن کی بدولت اوج ثریا تک پہنچا دیتا ہے جب کہ اسے نظر انداز کر دینے سے بہت سی اقوام کو قعر مذلت میں گرا دیتا ہے۔'' [1]

قرآن کریم اگرچہ عربی زبان میں ہے لیکن اس کا سمجھنا انتہائی آسان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ [2]

''ہم نے قرآن کو نہایت آسان بنا دیا ہے کیا ہے کوئی سمجھنے والا؟''

لیکن ہماری تمام تر مصروفیات حصول زندگی کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہیں قرآن مجید پڑھنے، سمجھنے، اس پر غور وفکر کرنے اور اس کے مطابق سیرت وکردار بنانے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے حبیب کا استغاثہ بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ [3]

''اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔''

قرآن کو چھوڑ دینے کی متعدد صورتیں حسب ذیل ہیں:

☆ اس پر ایمان نہ لانا اور اس کی تصدیق نہ کرنا۔

☆ اس کی تلاوت نہ کرنا اور صحت تلفظ کی طرف توجہ نہ دینا۔

☆ اس پر غور وفکر اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کرنا۔

---

[1] صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین: ۱۸۹۷۔

[2] ٥٤/ القمر: ١٧۔ [3] ٢٥/ الفرقان: ٣٠۔

☆ اس کی ہدایات کے مطابق اپنی سیرت اور اخلاق و کردار کو نہ ڈھالنا۔

☆ اس سے دل چسپی کی بجائے اخلاق سوز غزلیات، جنسی ناول، فضول قصے کہانیوں اور گانے بجانے سے دل بہلانا۔

☆ اپنے تنازعات واختلافات میں اسے بطور فیصل ماننے کے بجائے کسی دوسرے قانون کو ترجیح دینا۔

قارئین کرام! بار بار غور کریں کہیں آپ تو اس استغاثہ کی زد میں نہیں آتے اگر آپ اپنے دل میں قرآن کی سچی محبت رکھتے ہیں تو آج ہی قرآن کریم کا طالب علم بننے کا عہد کر لیں، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)

رسولوں پر ایمان

انسان کے لیے اس عالم رنگ و بو میں ایک دشوار اور کٹھن سفر درپیش ہے۔ اس سفر کی کچھ ضروریات ہیں جنہیں بہر صورت انسان نے پورا کرنا ہے۔ ان کے لیے وہ ہدایات کا محتاج ہے جو اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے حاصل ہوں، ان ہدایات کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے جن بندوں کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ حضرات انبیائے کرام اور برگزیدہ رسول ہوتے ہیں۔ یہ حضرات مکارم اخلاق کے جامع اور بلند ترین اوصاف کے حامل ہوتے ہیں، یہ بھی واضح رہے کہ نبوت ورسالت بزور بازو حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے ایک عطیہ ہوتی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے سرفراز کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی بندگی اور عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جائے اور خواہشات نفس و دنیاوی تعلقات اور ہر قسم کی لذات سے کنارہ کش ہو جائے تب بھی اس کے اندر نبوت ورسالت کی نہ کوئی اہلیت وصلاحت پیدا ہوگی اور نہ ہی وہ اس بلند مقام پر فائز ہونے کے اہل ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ یہ سعادت ایسے خوش نصیب افراد کو ہبہ کرتا ہے جو ازل سے مخصوص استعداد کے حامل ہوتے ہیں اور اس مقام پر فائز ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ بطور خاص ان کی تربیت فرماتا ہے اور انہیں ہر قسم کے ذہنی خلجان، جسمانی نقائص سے پاک وصاف رکھتا ہے نیز اللہ تعالیٰ ان کے دل ودماغ کی براہ راست نگرانی فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار نے جب اپنا ایک مطالبہ پیش کیا:

﴿وَإِذَا جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ قَالُوا۟ لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ رُسُلُ ٱللَّهِ﴾ [1]

”ہم نہ مانیں گے جب تک وہ چیز خود ہمیں نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔“

یعنی ہم رسولوں کے اس بیان پر ایمان نہیں لائیں گے کہ ان کے پاس فرشتہ اللہ کا پیغام لاتا ہے بلکہ اس دعویٰ کو ہم اس صورت میں تسلیم کر سکتے ہیں جب کہ فرشتہ خود ہمارے

[1] ٦/ الانعام: ١٢٤۔

پاس آئے اور براہ راست ہم سے کہے کہ یہ اللہ کا پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مطالبہ کی پرزور تردید بایں الفاظ فرمائی:

﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ﴾ [1]

''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغام رسانی کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔''

مطلب یہ ہے کہ منصب رسالت ایسی چیز نہیں ہے جس کا اہل ہر کس و ناکس بن جائے، بلکہ یہ خلعت الٰہی اللہ کے منتخب بندوں کو ملتی ہے وہی خوب جانتا ہے کہ یہ تاج کس کے سر پر رکھے۔

ان انبیائے کرام کو تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا اصول ایمان سے ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ [2]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، نیز وہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک راستہ نکالنا چاہتے ہیں وہ بلاشبہ کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

خود رسول اللہ ﷺ نے جب ابن صیاد سے فرمایا: ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' تو اس نے انکار کر دیا اس پر آپ نے فرمایا: ''میں اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر یقین رکھتا ہوں۔'' [3]

[1] ٦/ الانعام: ١٢٤۔ [2] ٤/ النساء: ١٥٠، ١٥١۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ١٣٥٤۔

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ صدق دل سے اس بات کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو عبادت الٰہی کی دعوت دے اور معبودان باطلہ کا انکار کرے نیز یہ کہ حضرات انبیا اور رسول تمام کے تمام سچے، نیکوکار، رشد و ہدایت کے حامل، کریم، نیک، متقی، امین وراہنما تھے۔ ظاہری دلائل اور روشن نشانیوں کے ذریعے اپنے رب کی طرف سے تصدیق شدہ تھے اور یہ بھی کہ انہوں نے ہر چیز کو اپنی قوم تک پہنچایا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی، اسے نہ تو چھپایا اور نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ ہی اپنی طرف سے اس میں کمی وبیشی کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝ ﴾ [1]

"پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر پہنچا دینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اہل دنیا پر اپنی حجت قائم کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝ ﴾ [2]

"یہ سب رسول (نیکوں کو) خوش خبری سنانے والے اور (بدکاروں کو) برے انجام سے ڈرانے والے تھے یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے خاصی بڑی تعداد میں رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ [3]

[1] ١٦/ النحل: ٣٥۔ [2] ٤/ النساء: ١٦٥۔ [3] ١٦/ النحل: ٣٦۔

''ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کو سمجھانے کے لیے) بھیجا (تا کہ وہ لوگوں کو تلقین کریں) لوگو! تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴾ [1]

''کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔''

کسی قرآنی آیت یا صحیح مستند حدیث سے ان انبیا علیہم السلام کی تعداد کا پتہ نہیں چلتا، البتہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ [2]

قرآن پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا ہے اور کچھ ایسے رسول ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ [3]

''اے نبی! تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے کچھ کے حالات ہم نے تمہیں بتائے ہیں اور کچھ کے نہیں بتائے۔''

اس آیت کریمہ کی وجہ سے رسولوں پر ایمان کی دو صورتیں ہیں: (ا) اجمالی ایمان لانے کی صورت۔ (ب) تفصیلی ایمان لانے کی صورت۔

رسولوں پر اجمالی ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن انبیا کا ذکر نہیں کیا یا جن کے متعلق جتنا کچھ بتایا بندۂ مومن اسے من وعن تسلیم کرے اور کسی تفصیل میں پڑے بغیر ان پر اسی طرح ایمان لائے، ان کے متعلق اسرائیلی وضعی روایات کا قطعی سہارا نہ لے۔

ان پر تفصیلی ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ بطریق وحی جن پیغمبروں کی جس قدر تفصیل وارد ہے اس کے مطابق انہیں تسلیم کرے جن کا صرف نام ذکر ہوا ہے ان کے

---

[1] ۳۵/ فاطر: ۲٤۔ [2] مسند احمد، ص: ۱۷۸، ج ۵۔ [3] ٤۰/ المومن: ۷۸۔

ناموں پر ایمان لائے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کسی پیغمبر کو مانے اور کسی کے ماننے سے انکار کر دے کیونکہ ایسا کرنا یہود کا شیوہ ہے جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے نیز انبیا اور رسولوں کا سلسلہ باہم اس قدر مربوط ہے کہ ایک کا انکار سب کا انکار شمار ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں پچیس انبیائے کرام کا ذکر خیر ہوا ہے ان میں اٹھارہ انبیا کا ذکر سورۃ الانعام میں ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسماعیل، حضرت یسع، حضرت یونس، حضرت لوط علیہم السلام۔ باقی سات انبیا کا تذکرہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں مذکور ہے مثلاً:

حضرت آدم علیہ السلام (آل عمران) حضرت ادریس علیہ السلام (مریم) حضرت ہود علیہ السلام (سورۂ ہود) حضرت صالح علیہ السلام (اعراف) حضرت شعیب علیہ السلام (اعراف) حضرت ذوالکفل (انبیاء) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (الاحزاب)

تمام انبیا میں سے پانچ اولوالعزم پیغمبر ہیں جن کا اجمالاً بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [1]

''اے پیغمبر! تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا۔''

تفصیلاً دو مقام پر ان کا ذکر ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ [2]

''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے حضرت نوح سے اور حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔''

اس عہد سے مراد ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کرنا ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران: ۸۱

---

[1] ٤٦/ الاحقاف: ٣٥۔ [2] ٣٣/ الاحزاب: ٧۔

میں ہے یا اس سے مراد اللہ کا دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا ہے جیسا کہ سورۂ شوریٰ: ۱۳ میں ہے۔ اس آیت کریمہ میں اولوالعزم پانچ انبیا کا بطور خاص نام لیا گیا ہے جس سے ان کی اہمیت وعظمت واضح ہوتی ہے نیز اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر سب سے پہلے ہے حالانکہ بلحاظ نبوت آپ متاخر ہیں اس سے آپ کا جو شرف ومقام واضح ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

دوسرا مقام جہاں ان عالی ہمت انبیا علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [1]

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا ہے جس کے اختیار کرنے کا حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھیں اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔''

اس آیت کریمہ میں جس دین کو قائم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اس سے مراد اللہ پر ایمان، توحید، اطاعت رسول اور شریعت الٰہیہ کو ماننا ہے تمام انبیا کا یہی دین تھا جس کی وہ اپنی اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور طریق کار میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ سورۂ مائدہ: ۴۸ میں اس کا تذکرہ ہے لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترکہ تھے اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

''ہم انبیا کی جماعت پدری بھائی ہیں جن کی مائیں مختلف ہیں البتہ ان کا دین ایک ہے۔'' [2]

تمام انبیا علیہم السلام کی دعوت ایک تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] ٤٢/ الشورىٰ: ١٣۔ [2] صحيح بخاري، كتاب الانبياء: ٣٤٤٣۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ ❶

”آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی نازل کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔“

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾ ❷

”آپ ان انبیا سے پوچھیں جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دیگر معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟“

اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے کہ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا تھا۔

البتہ حلال وحرام جیسی فروعات میں حضرات انبیا کی شرائع میں اختلاف ضرور تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ ❸

”تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے۔“

یعنی ایک نبی کی شریعت میں کچھ چیزیں حرام تو دوسرے نبی کی شریعت میں حلال تھیں، بعض انبیا کی شریعت میں کسی مسئلہ میں تشدید تھی تو دوسری شریعت میں کچھ نرمی تھی لیکن دین سب کا ایک یعنی توحید پر مبنی تھا۔ یہ شرائع کا اختلاف بھی اس بنا پر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لے کہ ان میں سے اخلاص کے ساتھ اچھے کردار کا حامل کون ہے؟

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ ❹

”تاکہ وہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔“

---

❶ ۲۱/ الانبیاء: ۲۵۔ ❷ ۴۳/ الزخرف: ۴۵۔

❸ ۵/ المائدۃ: ۴۸۔ ❹ ۱۱/ ہود: ۷۔

لیکن شریعت محمدیہ کے بعد دیگر تمام شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں، اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک، ان انبیا کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور آخر الزماں رسول حضرت محمد ﷺ پر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [1]

"محمد ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

ہمارا ایمان ہے کہ آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [2]

"کہہ دیجیے! اے لوگو! بلا شبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تم میرے لیے وہی درجہ رکھتے ہو جو موسیٰ کے لیے ہارون کا تھا سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔" [3]

حدیث دجال میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔" [4]

آپ کے بعد ہر مدعی نبوت کافر اور دین سے خارج ہے چنانچہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: "عنقریب میرے بعد تیس کذاب پیدا ہوں گے سب کے سب نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" [5]

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۴۰۔ [2] ۷/ الاعراف: ۱۵۸۔ [3] ابن ماجہ، السنۃ: ۱۲۱۔
[4] مسند امام احمد، ص: ۳۳۸ ج ۳۔ [5] ابو داود، کتاب الفتن: ۴۲۵۲۔

ان احادیث کے پیش نظر آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی مدعی نبوت کی تصدیق کرے تو وہ کافر ہے اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اجماع امت کی تکذیب کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسئلہ ختم نبوت بہترین پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''میری اور دیگر انبیا علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی مکان تعمیر کیا اور اسے نہایت خوبصورت بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ رہ گئی، لوگ چاروں طرف سے اس عمارت کو دیکھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ تم نے اس جگہ ایک اینٹ مزید کیوں نہ رکھ دی، چنانچہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔'' [1]

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا انتہائی ضروری ہے، جس کے بغیر قیامت کے دن عذاب جہنم سے نجات، جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا قطعی ناممکن ہے اور جو بندہ آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلے گا وہ قیامت کے دن سراسر خسارے اور نقصان میں ہوگا یہ اس لیے ہوگا کہ اس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے آخری پیغام پر ایمان درست نہیں۔ اب ہر فرد کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا اور دل سے اسے تسلیم کرنا انتہائی ضروری ہے حق وہدایت کا یہی ایک راستہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ آخر میں ہم اپنی مترجم کتاب ''آئینہ جمال نبوت'' سے ایک اقتباس ہدیہ قارئین کرنا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہے۔

☆ یہ ماہ رخ وروشن جبین جو اپنے ظاہری رنگ وروپ میں پورے جمال جہاں تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ۔

☆ یہ ہمارے رہبر وراہنما سید الاولین والآخرین ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ۔

---

[1] صحیح بخاری، المناقب: ۳۵۳۵۔

☆ یہی رافت ورحمت اور جنگ وجہاد کے پیغامبر، پوری انسانیت کے نجات دہندہ۔ اندھیروں سے اجالے کی طرف لانے والے حضرت رسول کریم ﷺ۔

☆ ہمیں چاہیے کہ آنجناب ﷺ سے اخلاص کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے سچی محبت کریں، ان کی سیرت وصورت کو نمونہ سمجھتے ہوئے آپ کے ہر فرمان کو حرز جان بنائیں تاکہ ہم آج اس عالم رنگ وبو میں کامیاب وکامران اور کل اس عالم جزا وعطا میں سرفراز وشادمان ہوں۔

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی اور اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کی حقیقی محبت عطا فرما۔ (آمین)

یوم آخرت پر ایمان

اس عالم رنگ و بو میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے محنت اور کوشش کرتے ہیں، بلند مقاصد کے حصول کے لیے قربانیاں دیتے ہیں لیکن اہل دنیا جہالت یا حسد کی وجہ سے ان کے فضل و شرف کا اعتراف نہیں کرتے نیز نیک اعمال اور اچھے کردار کا انہیں کوئی صلہ نہیں ملتا، اسی طرح بعض انسانوں کے اصلاحی کارناموں کے اثرات اتنے دوررس اور ہمہ گیر ہوتے ہیں کہ وہ لاکھوں انسانوں کی زندگیاں سنوار دیتے ہیں، اب اگر ان محسنین انسانیت کو اپنے حسن عمل کا دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا صلہ بھی مل جائے تو کیا ان کی محنت و مشقت کا وہ مکمل صلہ ہوسکتا ہے۔ نیز ہم بعض اوقات اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ لوگ چوریاں کرتے ہیں، ڈاکے ڈالتے ہیں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں لیکن وہ قانون کی گرفت میں نہیں آتے، اسی طرح بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص بہت سے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، اسے دنیا کا قانون بڑی کڑی سزا دیتا ہے کہ اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے لیکن کیا یہ بے شمار لوگوں کے قاتل اور ان گنت معصوموں پر ظلم ڈھانے والے مجرم کے لیے یہ سزا اس کے جرائم کے لحاظ سے مکمل سزا ہے؟

محترم قارئین! ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر بتائیں کیا ان نیک طینت حضرات کا محروم جزا رہنا درست ہے اور اگر یہ ظالم اور مظلوم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں، کسی مظلوم کو انصاف اور ظالم کو سزا نہ ملے تو کیا یہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے؟ کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ موت کی سرحد پر پہنچتے ہی ہست و بود کا یہ سارا کھیل ختم ہو جائے گا، کیا داستان حیات بس اسی قدر ہے کہ رحم مادر اگل دے اور بطن خاک نگل لے اور اس کے بعد کچھ بھی نہ ہو، ہرگز نہیں عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسا عالم برپا ہونا چاہیے جہاں داعیان خیر و صلاح کو مکمل جزا ملے اور اسی طرح مجرمین کو ان کے جرائم کی پوری پوری سزا ملے اسلام کہتا ہے کہ یہی دوسرا عالم، عالم آخرت ہے۔

آخرت سے مراد حسب ذیل دو امور ہیں:

1. تمام کائنات فنا ہو جائے گی اور اس دنیوی زندگی کا خاتمہ ہوگا۔
2. پھر ایک دوسری زندگی کی آمد آمد ہوگی اور اس کا باقاعدہ آغاز ہوگا۔

آخرت کا لفظ ہی بتاتا ہے کہ یہ دن دنیوی زندگی کا آخری اور آنے والی زندگی کا پہلا اور آخری دن ہوگا، پہلا اور آخری اس لیے کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک یہ ایک کامل دن ہوگا اس دن کا کوئی ثانی نہیں ہوگا، سفاک مجرمین اور کفار ومشرکین کے اس دن کے متعلق نظریات قرآن کریم نے بیان کیے ہیں مثلاً:

☆ یہ دنیا ازلی اور ابدی ہے اور کوئی قیامت وغیرہ برپا نہیں ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نظریہ نقل کیا ہے:

﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴾ [1]

''جو کچھ بھی ہے بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرنے کے بعد کبھی نہیں اٹھائے جائیں گے۔''

☆ کچھ لوگ کہتے تھے کہ مرنا اور جینا گردش ایام کا نتیجہ ہے، یعنی وہ دہریے قسم کے لوگ تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ﴾ [2]

''زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں نیز گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔''

☆ کچھ کہتے ہیں کہ یہ نظام حادث ہے اور کسی وقت ختم بھی ہو سکتا ہے مگر انسان سمیت جو چیز بھی فنا ہو گئی پھر اس کا اعادہ ممکن نہیں یعنی ان کے نزدیک یہ اللہ کی قدرت سے خارج ہے کہ وہ مرے ہوئے انسانوں کو پھر سے زندہ کر سکے ان کے قول کو اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ نقل کیا ہے:

﴿ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴾ [3]

''کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔''

---

[1] ٦/ الانعام: ٢٩۔ [2] ٤٥/ الجاثية: ٢٤۔ [3] ٣٦/ يسين: ٧٨۔

☆ کچھ لوگ اعادے کو ممکن مانتے ہیں مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے اچھے اور برے نتائج بھگتنے کے لیے بار بار اس دنیا میں جنم لیتا ہے جیسا کہ ہندوؤں کا عقیدہ تناسخ ہے۔

☆ ایسے لوگ بھی تھے جو آخرت کے قطعی منکر نہ تھے مگر انہیں شک تھا کہ وہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ قرآن مجید میں اس قسم کے لوگوں کا ایک قول نقل کیا گیا ہے:

﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴾ [1]

''ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، یقین ہم کو نہیں ہے۔''

اس قسم کے لوگ بھی تھے کہ وہ آخرت، جزا و سزا کو مان کر بعض ایسے بزرگوں کو سفارشی تجویز کرتے تھے جو ان کے بقول اللہ کے ہاں اتنا زور رکھتے ہیں کہ جو بھی ان کا دامن گرفتہ ہو گا وہ دنیا میں سب کچھ کر کے بھی سزا سے بچ جائے گا۔

الغرض یہ مختلف اقوال خود ہی اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے پاس قیامت کے متعلق کوئی علم نہ تھا بلکہ وہ محض گمان و قیاس کے تیر تکے چلا رہے تھے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ ﴾ [2]

''قسم ہے متفرق شکلوں والے آسمان کی (آخرت کے متعلق) تمہاری بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾ [3]

''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں، کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔''

آخرت میں زندہ ہو کر حساب کے لیے پیش ہونے کے متعلق قرآن کریم دو طرح سے استدلال کرتا ہے:

---

[1] ٤٥/ الجاثية: ٣٢۔ [2] ٥١/ الذاريات: ٧، ٨۔ [3] ٧٨/ النبا: ١، ٢، ٣۔

① پہلا استدلال یہ ہے کہ جو ہستی انسانوں کو عدم سے وجود میں لاسکتی ہے اس کے لیے اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ ﴾ ❶

''وہ ضرور سوال کریں گے کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ کہہ دیجیے وہی ہے جس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا۔''

② دوسرا استدلال یہ ہے کہ وہ بے پناہ قدرت کا مالک ہے اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی امر محال نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ ❷

''ان لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ جس نے زمین وآسمان پیدا کیے اور انہیں بناتے وقت جو نہ تھکا وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے، کیوں نہیں! وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔''

پہلی قسم کے استدلال کی مزید وضاحت یہ ہے کہ ایک چیز جو پہلے نہیں تھی بعد میں بنائی گئی پھر توڑ دی گئی اس کا دوبارہ بنانا کوئی مشکل کام نہیں بالخصوص جس نے پہلی مرتبہ وجود بخشا پھر اسے درہم برہم کر دیا اس کے لیے تو نئے سرے سے بنانا انتہائی آسان ہے جیسے عمارت تعمیر کرنے کے بعد اسے منہدم کر دیا جائے تو اس کی دوبارہ تعمیر نہ صرف آسان ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہو، قرآن کریم نے اس اصول کو مختلف مواقع پر استعمال فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ❸

''وہی ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان سب

---

❶ ۱۷/ الاسراء: ۵۱۔ ❷ ۴۶/ الاحقاف: ۳۳۔ ❸ ۳۰/ الروم: ۲۷۔

سے بلند ہے وہی غالب اور حکمت والا ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر حشر ونشر سے متعلق ایک سوال پھر اس کا جواب بایں الفاظ دیا ہے:

﴿قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ۝﴾ [1]

"جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دیجیے! ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح پیدا کرنا جانتا ہے۔"

دوسری قسم کے استدلال کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست قوت تخلیق کو بروئے کار لا کر حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور آپ کی نسل کو قطرہ منی سے پیدا فرمایا یہ قوت تخلیق، آخرت اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کو بخوبی ثابت کرتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ۝﴾ [2]

"لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے متعلق کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل

---

[1] ٣٦/ يٰسين: ٧٨، ٧٩۔ [2] ٢٢/ الحج: ٥۔

بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر یہ حقیقت واضح کریں کہ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں۔) تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے، تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا اچانک وہ لہلہا اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنا شروع کر دیں۔''

اس آیت کریمہ میں انسان کی پیدائش کے مختلف اطوار، زمین پر بارش کے اثرات اور نباتات کی پیداوار کو پانچ حقیقتوں کی نشاندہی کرنے والے دلائل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اگلی دو آیات میں فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ ﴾ [1]

''یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ (اس بات کی دلیل ہے) کہ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں جا چکے ہیں۔''

اس آیت میں جن پانچ حقیقتوں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اللہ ہی حق ہے۔ (۲) وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (۳) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴) قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی۔ (۵) اللہ ضرور ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو مر چکے ہیں۔

اب ہم آیت نمبر ۵ سے مردوں کو زندہ کرنے اور قیامت کی آمد کو ثابت کرتے ہیں

[1] ۲۲/ الحج: ٦، ٧۔

کیونکہ ان کا تعلق یوم آخرت سے ہے جن مادوں سے انسان کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ پرورش پاتا ہے ان کا تجزیہ کر کے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوہا، چونا، کوئلہ، کچھ نمکیات، کچھ ہوائیں اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں ان میں سے کسی چیز میں بھی زندگی اور نفس انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں مگران مردہ، بے جان مادوں کو جمع کر کے انسان کا جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے پھر یہی غذائیں انسانی وجود میں جاتی ہیں ان سے ایسا مادہ بنتا ہے جس کے ذریعے اس انسان کی طرح دوسرے جیتے جاگتے انسان روز بروز بن رہے ہیں اس کے بعد زمین پر نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ بے شمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جس جگہ پیوند خاک ہوئی پڑیں تھیں، ان میں کہیں بھی نباتاتی زندگی کا ظہور موجود نہ تھا یہی زمین ان لاکھوں مردوں کی قبر بنی ہوئی تھی مگر جونہی بارش کا ایک چھینٹا پڑا ہر طرف زندگی لہلہانے لگی، ہر مردہ جڑ جی اٹھی اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا یہ احیائے اموات کا عمل ہر موسم برسات میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے، کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو زندہ کرے اور پھر ان سے زندگی کا حساب لے۔

پھر قیامت جس کا دوسرا نام یوم الدین یعنی بدلے کا دن بھی ہے اس کے برپا ہونے کی دلیل بایں طور ہے کہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے محدودسی حکمت و دانائی سے نوازا ہے ہم اسے دیکھتے ہیں کہ اپنا مال یا جائیداد یا کاروبار جس کے سپرد کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی وقت حساب ضرور لیتا ہے گویا امانت اور محاسبے کے درمیان ایک ایسا رابطہ ہے جسے کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا پھر جسے وہ اپنے کاروبار میں امین سمجھتا ہے اس کے اچھے اور برے افعال میں تمیز کرتا ہے، اچھے کردار کا نتیجہ انعام کی صورت میں اور برے کردار کا نتیجہ سزا کی شکل میں قرار دیتا ہے حتیٰ کہ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے خود نظام عدل وجود میں لاتا ہے، کیا جس خالق نے انسان کے اندر یہ محدودسی حکمت پیدا کی ہے اس کے متعلق باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود اس حکمت سے عاری ہو، کیا اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اپنی اتنی بڑی دنیا، اتنے

سروسامان اور اس قدر اختیارات انسان کے سپرد کر کے وہ بھول گیا ہو اور اس کا کبھی حساب نہ لے کیا عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے جو برے اعمال سزا سے بچ نکلے ہیں یا جن برائیوں کی پوری سزا اسے نہیں مل سکی ہے ان کی باز پرس کے لیے کہیں عدالت قائم نہ ہو اور اس کی جو بھلائیاں اور کارہائے خیر انعام واکرام سے محروم رہے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قیامت اس مولائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضا ہے جس کا پورا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا سراسر بعید از عقل ہے۔

یوم آخرت کی حقانیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب آخر الزماں نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ اس کا حلفیہ اعلان کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ [1]

''پھر پوچھتے ہیں کہ واقعی یہ (قیامت) سچ ہے، کہو میرے رب کی قسم! یہ بالکل سچ ہے اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے ظہور میں آنے سے روک دو۔''

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ﴾ [2]

''منکرین کہتے ہیں کیا بات ہے کہ قیامت ہم پر نہیں آ رہی کہو قسم ہے میرے رب کی! وہ تم پر آ کر رہے گی۔''

﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ [3]

''منکرین نے بڑے دعوے سے کہا کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے ان سے کہو، نہیں میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے اور

---

[1] ۱۰/ یونس: ۵۳۔ [2] ۳٤/ السبا: ۳۔ [3] ٦٤/ التغابن: ۷۔

ایسا کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ ہر زمانے میں منکرین حق جس بنیادی گمراہی میں مبتلا رہے ہیں وہ یہ تھی کہ ان نادانوں نے بڑے زور کے ساتھ قیامت کا انکار کیا بالآخر یہ انکار ان کی بربادی کا موجب ہوا، حالانکہ ان کے پاس نہ پہلے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تھا نہ آج ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگا کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے اور اس کے انکار کے لیے کوئی بھی عقلی یا علمی بنیاد نہیں ہے، لیکن ان بدبختوں نے بڑی پختہ قسمیں اٹھا کر ان کا انکار کیا جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۝ ﴾ [1]

"یہ لوگ اللہ کے نام سے بڑی بڑی قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا، کیوں نہیں! یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے اور ایسا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے جس کے متعلق یہ اختلاف کر رہے ہیں اور منکرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔"

یوم آخرت پر ایمان فرض ہے اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس پر ایمان لانا مندرجہ ذیل حقائق کو تسلیم کرنا ہے:

1. وہی قیامت کا دن ہے جب کہ کائنات کی ہر چیز ختم ہو جائے گی پھر جب حضرت اسرافیل دوبارہ صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ تمام مردوں کو زندہ فرمائے گا۔
2. میدان محشر میں تمام لوگ جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ حق وباطل کا فیصلہ کرنے کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے پھر نامہ اعمال تقسیم کیے جائیں گے وہ دائیں ہاتھ میں یا پشت

[1] ۱٦/ النحل: ۳۸، ۳۹۔

کی جانب سے بائیں ہاتھ سے دیئے جائیں گے۔

3 میزان بھی قائم کیے جائیں گے، تاکہ زندگی بھر کے اعمال و کردار، عقائد و نظریات کا وزن کیا جائے، وزن کرتے وقت کسی جان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

4 سفارشات بھی ہوں گی، اس کے لیے ایک ضابطہ الٰہی ہے نیز شفاعت عظمیٰ کا اعزاز رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوگا اس کے علاوہ ملائکہ، صلحا، اتقیا بھی سفارش کریں گے۔

5 وہاں رسول اللہ ﷺ کو ایک حوض بطور عطیہ دیا جائے گا جس کا پانی اتنا لذیذ ہوگا کہ جس نے ایک گھونٹ پیا دوبارہ اسے پیاس محسوس نہیں ہوگی۔

6 جہنم پر پل صراط نصب کیا جائے گا، لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہاں سے گزریں گے پل کے دونوں جانب لوہے کے آنکڑے ہوں گے جن کے متعلق انہیں حکم ہوگا انہیں وہ پکڑ لیں گے۔

7 وہاں نعمتوں کا گھر جنت بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں کے لیے تیار کیا ہے، وہاں ایسی راحتیں ہوں گی جن کا آج تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

8 اذیتوں کا گھر جہنم بھی وہاں موجود ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منکرین حق کے لیے تیار کر رکھا ہے، وہاں ایسی ہولناک سزائیں ہوں گی جن کا دل پر کبھی کھٹکا بھی نہیں گزرا ہوگا۔

میدان محشر سے پہلے ایک عالم برزخ ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے تک رہے گا اس درمیانی عرصہ میں مرنے والوں سے سوالات ہوں گے کہ تمہارا رب اور نبی کون تھا نیز تمہارا دین کیا تھا؟ یہ سوالات قبر میں ہوں گے۔

9 قبر میں اہل ایمان کو نعمتوں سے نوازا جائے گا جب کہ اہل کفر کو عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مذکورہ حقائق کی تکذیب کرنا کفر ہے اللہ تعالیٰ نے اسے کفار کا شیوہ قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرَٰبًا وَءَابَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴾ [1]

"اور کافر کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا

[1] ۲۷/ النمل: ٦٧۔

ہم پھر (قبروں) سے نکالے جائیں گے۔"

مزید فرمایا:

﴿ وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَءِذَا كُنَّا تُرَٰبًا أَءِنَّا لَفِى خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ ٱلْأَغْلَٰلُ فِىٓ أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴾ [1]

"اور اب اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، یہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آخرت سے انکار دراصل اللہ اور اس کی قدرت وحکمت سے انکار ہے بلکہ انکارِ آخرت کے ساتھ اگر کوئی اللہ کو مانتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر ہی سے تعبیر کیا ہے چنانچہ قرآن میں ایک شخص کا عقیدہ بایں الفاظ نقل ہوا ہے:

﴿ وَمَآ أَظُنُّ ٱلسَّاعَةَ قَآئِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّى لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ﴾ [2]

"اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی آئے گی تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے وجود کا قائل تھا لیکن اس کے باوجود اس کے ہمسائے نے اسے کفر باللہ کا مجرم قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ لَهُۥ صَاحِبُهُۥ وَهُوَ يُحَاوِرُهُۥٓ أَكَفَرْتَ بِٱلَّذِى خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّىٰكَ رَجُلًا ﴾ [3]

[1] ۱۳/ الرعد: ۵۔ [2] ۱۸/ الکہف: ۳۶۔ [3] ۱۸/ الکہف: ۳۷۔

"اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا، کیا تو کفر کرتا ہے،
اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور
تجھے ایک مکمل آدمی بنا کھڑا کیا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر باللہ محض ہستی باری تعالیٰ کے انکار ہی کا نام نہیں ہے بلکہ تکبر وغرور اور انکار آخرت بھی اللہ سے کفر ہی ہے، جس انسان نے یہ خیال کیا کہ بس میں ہی میں ہوں میری دولت اور شان وشوکت کسی کا عطیہ نہیں بلکہ میری قابلیت واستعداد کا نتیجہ ہے اور میں نے اس دولت کا کسی کو حساب نہیں دینا ہے ایسا انسان اگر اللہ کو مانتا ہے تو محض ایک وجود کی حیثیت سے مانتا ہے اسے اپنے آقا اور فرمانروا کی حیثیت سے نہیں مانتا۔

ایمان بالآخرت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت قرآن کریم سے استفادہ کے لیے یوم آخرت پر یقین رکھنے کو ایک بنیادی شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴾ [1]

"یہ (کتاب) ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لیے جو ایمان لائے ہیں
ان تعلیمات پر جو آپ پر اتاری گئیں اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"

پھر آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ دنیا کا یہ نظام کوئی ابدی نہیں ہے بلکہ یہ صرف ہماری آزمائش کے لیے ہے اللہ جب چاہے گا اسے درہم برہم کر دے گا۔

☆ انسان اس دنیا میں مادر پدر آزاد نہیں ہے بلکہ اسے ذمہ دار کی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے وہ اپنے تمام عقائد ونظریات اور ہر قسم کے اخلاق واعمال کے لیے اللہ کے سامنے جواب

[1] ۲/ البقرة: ٤۔

دہ ہے۔

☆ اس عالم رنگ وبو کے خاتمہ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ ایک دوسرا عالم برپا کرے گا اس میں وہ پوری انسانیت کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر سب سے حساب لیا جائے گا اور حساب کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔

☆ وہاں کامیابی یا ناکامی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی یا تنگدستی نہیں بلکہ کامیاب اسے قرار دیا جائے گا جو اللہ کے فیصلے میں کامیاب ہوگا۔

☆ اللہ کے فیصلے کے مطابق جو لوگ نیک اور کامیاب قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو ناکام ونامراد ہوں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

عقائد کے اس مجموعے کو تسلیم کرنا آخرت پر ایمان لانا اور یقین کرنا ہے ان کے بغیر آخرت کو ماننا کھلا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت پر ایمان ویقین نصیب فرمائے۔ آمین

قبر اور راحت قبر

آخرت پر ایمان لانے میں برزخ اور میدان حشر بھی شامل ہیں لہٰذا قبر، وسعت، قبر، عذاب قبر، اللہ کے حضور پیشی، حساب، میزان، وزن اعمال، تقسیم اعمال، پل صراط، حوض، سفارش اور اس کی اقسام، جنت اور اس کی نعمتوں، جہنم اور اس کی اذیتوں پر کتاب وسنت کی روشنی میں مفصل گفتگو ہوگی۔ قبر کے متعلق گزارشات پیش خدمت ہیں۔

قبر کا عام استعمال زمینی گڑھے کے لیے ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ﴾ [1]

"آیندہ آپ نے ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا ہے اور نہ کبھی ان کی قبر پر کھڑے ہونا ہے۔"

لیکن حقیقت کے اعتبار سے قبر کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں انسان کو مرنے کے بعد رکھا جاتا ہے خواہ وہ زمین کا پیٹ ہو یا سمندر کی گہرائی، یا آگ کا الاؤ یا کسی درندے کا معدہ۔ چنانچہ قرآن کریم نے انسانی پیدائش اور اس کے بعد آنے والے مراحل کا ذکر فرمایا پھر وضاحت کی:

﴿ ثُمَّ أَمَاتَهُۥ فَأَقْبَرَهُۥ ﴾ [2]

"اسے موت سے ہمکنار کرنا ہے اور قبر میں پہنچانا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں قبر سے مراد صرف زمینی گڑھا نہیں ہے بلکہ عام ہے کہ جہاں انسان نے مرنے کے بعد رہنا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مرتبہ لفظ قبور بھی استعمال ہوا ہے اور ایک مقام پر لفظ مقابر بھی ہے یہ تمام الفاظ اپنے وسیع معنی میں استعمال ہوئے اور احادیث میں قبر کا لفظ مجازی طور پر عالم برزخ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد وہ عالم ہے جس میں موت کی آخری ہچکی سے لے کر بعث بعد الموت کے پہلے جھٹکے تک انسانی ارواح نے رہنا ہے، منکرین حدیث کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے تک کا دور کامل نیستی اور خالص عدم کا زمانہ ہے حالانکہ اس دوران جسم کے بغیر روح زندہ رہتی

[1] ٩/ التوبة: ٨٤۔ [2] ٨٠/ عبس: ٢١۔

ہے، کلام کرتی ہے اور کلام سنتی ہے، جذبات واحساسات رکھتی ہے، خوشی اور غم محسوس کرتی ہے اہل دنیا کے ساتھ اس کی دل چسپی باقی رہتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ایک مرد مومن کی موت کے بعد اپنی قوم سے دلچسپی بایں الفاظ بیان ہوئی ہے:

﴿قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾﴾ [1]

''کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرمادی اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرمایا۔''

قبر یا عالم برزخ کے متعلق کتاب وسنت پر مبنی حقائق بیان کرنے سے پہلے ہم چند اصولی باتیں بیان کرتے ہیں، تاکہ بیان کردہ احادیث کے مضامین کے متعلق ہمارے ذہن شکوک وشبہات کا شکار نہ ہوں۔

1. حضرات انبیا علیہم السلام کے علم کی بنیاد وحی الٰہی ہے اس لیے ان کا علم یقینی ہوتا ہے اور انہیں ایسی چیزوں کا علم ہوتا ہے جنہیں ہم اپنی آنکھوں، کانوں اور اپنی فہم وفراست سے نہیں معلوم کر سکتے۔
2. حضرات انبیا علیہم السلام ہمیں کبھی ایسی چیز سے آگاہ نہیں کرتے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے ظاہری حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں۔
3. حضرات انبیا علیہم السلام نے ہمیں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں ایسی چیزیں ضروری ہیں جن کا دنیا میں نمونہ نہ ہونے کی وجہ سے انسانی عقل وفکر از خود نہیں معلوم کر سکتی۔
4. کسی حقیقت کا صرف اس وجہ سے انکار کردینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے یا ہماری عقل اس کا ادراک نہیں کرسکتی بڑی بے عقلی کی بات ہے کیونکہ ہمیں جو معلومات کے لیے وسائل دیئے گئے ہیں ان کی طاقت اور دائرہ عمل بہت محدود ہے۔
5. انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم جو نظر آتا ہے دوسری روح جو نظر نہیں آتی

[1] ٣٦/ یسین:٢٦، ٢٧۔

پھران کا باہمی تعلق بایں طور پر ہے کہ دنیا میں رنج وغم اور راحت ولذت براہ راست جسم پر آتی ہے روح اس سے تبعاً متاثر ہوتی ہے لیکن عالم برزخ میں معاملہ اس کے برعکس ہوگا وہاں اچھی بری واردات براہ راست روح پر ہوگی جسم ان سے تبعاً متاثر ہوگا۔

6 اللہ کی سنت یہی ہے کہ برزخی واردات کو جن وانس سے مخفی رکھا جاتا ہے ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں البتہ اللہ اپنے انبیا علیہم السلام کو بعض برزخی واردات سے آگاہ کر دیتا ہے یا انہیں دکھا دیتا ہے لیکن اہل مکاشفہ یا کشف قبور کے ''حقائق'' ایجاد بندہ ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

اب ہم قبر اور اس کی واردات کے متعلق کچھ حقائق بیان کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مرنے کے بعد جب بندہ اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ والے واپس چلے جاتے ہیں، ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ ان کے جوتوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تو اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اس کے بعد جو سچا مومن ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں یہ جواب سن کر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ (ایمان نہ لانے کی صورت میں) جہنم میں جو جگہ تمہاری ہونے والی تھی ذرا اسے بھی ایک نظر دیکھ لو اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہے اسے بھی دیکھ لو۔ چنانچہ وہ دوزخ اور جنت کے ہر دو مقامات کو ایک ساتھ دیکھے گا۔''[1]

دیگر روایات میں اس کے متعلق کچھ مزید تفصیلات ہیں کہ فرشتے اس سے سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ آدمی جو

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۳۳۸۔

تمہارے پاس بطور رسول آیا تھا اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟ جواب دے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بطور شہادت یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی پکی بات پر ثابت قدم رکھے گا۔ دنیا میں اور آخرت میں۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''(جب مومن ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیتا ہے) تو ایک ندا دینے والا منادی کرتا ہے کہ میرے بندے نے درست بات کہی اور صحیح صحیح جوابات دیئے لہٰذا اس کے آرام کے لیے جنت کے بستر بچھا دو اور جنت کا لباس پہنا دو اور جنت کی طرف اس کے لیے ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اس کی قبر کو بھی کشادہ کر دیا جاتا ہے اور جنت کی بہاریں اور نظارے دیکھنے کے لیے حد نگاہ تک پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو کھڑے ہو کر فرماتے: ''اپنے بھائی کے حق میں استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس سے اب سوال و جواب ہو رہا ہے۔'' [3]

قبر چونکہ سفر آخرت میں کامیابی کی دلیل ہوتی ہے اس لیے قبر کو اہل ایمان کے لیے جنت کے باغات سے ایک باغیچہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: ''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگی۔'' [4]

بندہ مومن کے لیے جنت کی بہاروں کو دیکھ کر بڑی بے تابی ہوتی ہے وہ بار بار

---

[1] ١٤/ ابراھیم: ٢٧۔ [2] مسند احمد، ص: ٢٨٨، ج ٤۔

[3] ابو داود کتاب الجنائز: ٣٢٢١۔ [4] ترمذی، القیامہ: ٢٤٦٠۔

درخواست کرتا ہے کہ اللہ جلدی قیامت برپا کردے تاکہ میں اپنے اہل وعیال تک پہنچوں۔ اسے جواب ملتا ہے: ''ابھی آرام کرو۔'' [1]

حدیث میں اس سے بڑھ کر تفصیلات بیان ہوئی ہیں کہ قبر میں بندہ مومن کے پاس ایک خوش شکل آدمی آتا ہے جس کے کپڑے بھی خوبصورت اور خوشبو بھی عمدہ، وہ آکر اسے کہتا ہے کہ میں تجھے خوش کن خبر کی بشارت دیتا ہوں اللہ کی رضامندی کی خوشخبری اور ایسے باغات کی بشارت جس کی تازگی ہمیشہ رہے گی اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، چنانچہ وہ بھی جواب میں کہے گا اللہ تعالیٰ تجھے بھی خوش وخرم رکھے تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو کوئی اچھی خبر ہی لاتا ہے وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں، اللہ کی قسم! میری تیرے متعلق یہی معلومات ہیں کہ تو اللہ کی اطاعت میں جلدی کرنے والا اور اس کی نافرمانی سے بچنے والا تھا اللہ تعالیٰ تجھے بہتر بدلہ دے گا۔ [2]

---

[1] مستدرک حاکم، ص: ٤٠ ج ١۔ [2] مسند احمد، ص: ٢٩٠ ج ٤۔

قبر اور عذاب قبر

انسان جب سفر آخرت پر روانہ ہوتا ہے تو قبر اس کے لیے پہلی منزل ہوتی ہے قبر کے اندر ہی انسان کو اخروی کامیابی یا ناکامی کا پتہ چل جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے: ''اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو اور یہ بھی استدعا کرو کہ اللہ اسے سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے کیونکہ اب اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔'' [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا روایت کو بیان کرتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے لیکن قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو آگے کی منازل اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ کٹھن اور دشوار ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی میرے پیش نظر رہتا ہے: ''میں نے قبر کے منظر سے زیادہ سنگین اور خوفناک منظر کوئی نہیں دیکھا۔'' [2]

بلکہ آخرت کے حساب و کتاب کے بعد اسے جو ٹھکانہ ملتا ہے وہ قبر میں صبح و شام اسے پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''تم میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو ہر صبح و شام اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت سے ہے تو اہل جنت کا مقام اور اگر اہل جہنم سے ہے تو اہل جہنم کا مقام اس کے سامنے کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ آیندہ زندگی میں یہ مستقل ٹھکانہ ہوگا جب قیامت کے دن اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائے گا۔'' [3]

---

[1] ابو داود، کتاب الجنائز: ٣٢٢١۔ [2] ترمذی، الزهد: ٢٣٠٨۔

[3] صحیح بخاری، الجنائز: ١٣٧٩۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''مرنے کے بعد بندہ اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں۔ ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی چاپ سن رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تو اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد کافر اور منافق جواب دے گا کہ میں ان کے متعلق خود تو کچھ نہیں جانتا البتہ دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے وہی میں کہہ دیتا تھا، اس کے بعد اسے کہا جائے گا کہ تو نے نہ تو خود معلوم کیا اور نہ ہی معلومات رکھنے والوں کی بات کو مانا پھر لوہے کی گرزوں سے اس کو مارا جائے گا جس سے وہ بایں طور پر چیخ وپکار کرے گا کہ جن وانس کے علاوہ آس پاس کی ہر چیز اس کے چیخنے کو سنے گی۔'' [1]

اس حدیث میں لفظ قبر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال وجواب صرف اس مردے سے ہوگا جسے قبر میں دفن کیا جائے بلکہ فرشتوں کی طرف سے یہ سوال وجواب ہر مرنے والے سے ہو گا خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے، خواہ دریا میں بہا دیا جائے، خواہ آگ میں جلا دیا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے کیونکہ جزا وسزا کا یہ معاملہ براہ راست روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو کسی حال میں ہو وہ تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے۔

بعض احمق یہ کہتے ہیں کہ قبر میں جانے کے لیے تو کوئی راستہ نہیں ہوتا تو فرشتے کیسے چلے جاتے ہیں؟ شاید لوگ فرشتوں کو اپنی طرح مادی مخلوق سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرشتوں کو کہیں پہنچنے کے لیے کسی دروازے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت کی بنا پر پتھروں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً عذاب قبر کے متعلق اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ کرتے رہتے تھے چنانچہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن

---

[1] صحیح بخاری، الجنائز: ۱۳۳۸۔

خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ نے فتنہ قبر کا ذکر فرمایا، جس میں آدمی مبتلا ہوتا ہے تو جب آپ نے اس کا ذکر فرمایا تو خوف ودہشت سے سب مسلمان چیخ اٹھے۔ [1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری یہ امت قبر میں ابتلا وآزمائش سے دوچار ہوگی اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہیں کر سکو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ عذاب قبر جس قدر میں سن رہا ہوں اس میں کچھ تمہیں سنا دے۔'' اس کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے عذاب جہنم کی پناہ مانگو۔'' ہم سب کی زبان سے نکلا ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: ''قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' سب نے کہا ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی عورت میرے پاس آئی اور اس نے عذاب قبر کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اللہ تجھے عذاب قبر سے محفوظ رکھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں قبر میں عذاب ہوتا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ گھر میں عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے تھے۔ [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تجھ سے عذاب قبر، آگ کے عذاب، زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔'' [4]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب قبر کے اثبات کے لیے تین آیات اور سات احادیث کو پیش کیا ہے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّٰلِمُونَ فِى غَمَرَٰتِ ٱلْمَوْتِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا۟ أَيْدِيهِمْ ۚ

---

[1] صحيح بخاري، الجنائز: ١٣٧٣۔ [2] مسلم، الجنة: ٢٨٦٧۔

[3] صحيح بخاري، الجنائز: ١٣٧٢۔ [4] صحيح بخاري، الجنائز: ١٣٧٧۔

أَخْرِجُوٓا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴾ [1]

''اگر آپ دیکھیں جب ظالم موت کی سختیاں جھیل رہے ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی روحوں کو! آج تمہیں ذلت اور رسوائی کا عذاب اس لیے دیا جائے گا کہ تم اللہ کے بارے میں ناحق باتیں کہتے تھے اور تکبر کی بنا پر اس کی آیات سے اعراض کرتے تھے۔''

اس آیت میں کفار کی ارواح قبض کرنے کا تذکرہ ہے، فرشتے حالت نزع میں ان کی پٹائی شروع کر دیتے ہیں اور یہ وقت ہوتا ہے جب انسان کا تعلق اس دنیوی زندگی سے کٹ کر اخروی زندگی سے جڑ جاتا ہے بنابریں عذاب قبر کا سلسلہ بستر ہی سے شروع ہو جاتا ہے، دوسری آیت منافقین سے متعلق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴾ [2]

''اہل مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نفاق ان کی سرشت میں داخل ہو چکا ہے، آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں انہیں ہم دوبار عذاب دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف بھیج دیئے جائیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں دو مرتبہ عذاب دینے سے مراد، دنیا اور قبر کا عذاب ہے اور بڑے عذاب سے مراد حساب و کتاب کے بعد عذاب جہنم میں جھونک دیا جانا ہے، تیسری آیت فرعون اور آل فرعون سے متعلق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ [3]

''یہ لوگ صبح و شام نار جہنم پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت آجائے گی اللہ فرمائے گا کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔''

---

[1] ٦/ انعام: ٩٣۔ [2] ٩/ التوبة: ١٠١۔ [3] ٤٠/ مومن: ٤٦۔

انہیں صبح وشام آگ پر پیش کرنے سے مراد عذاب قبر ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ درج ذیل آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس دنیوی زندگی اور آخرت میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے۔''

یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی۔ [2]

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث سے عذاب قبر کو ثابت کیا ہے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ عذاب اس زمینی قبر میں نہیں بلکہ برزخی قبر میں ہوتا ہے یہ ان کے خام ذہن کی ایجاد ہے، کسی بھی محدث یا فقیہ نے اس برزخی قبر کا انکشاف نہیں کیا بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو بھی ثابت کرتے ہیں کہ عذاب اس زمینی قبر میں ہوتا ہے کیونکہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ قبرستان کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''ان دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔'' پھر آپ نے کھجور کی لکڑی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا قبر پر گاڑ دیا پھر فرمایا: ''شاید ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک یہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہو جائیں۔'' [3] اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر اس زمینی قبر میں ہوتا ہے تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان زمینی قبروں پر کھجور کی لکڑی گاڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

---

[1] ١٤/ ابراهيم: ٢٧۔ [2] صحيح بخاري، حديث نمبر: ١٣٦٦۔

[3] صحيح بخاري، حديث نمبر: ١٣٧٨۔

حشر و نشر

ہم نے پہلے آخرت پر ایمان لانے کے سلسلہ میں قبر، راحت قبر اور عذاب قبر کے متعلق بیان کیا تھا اب ان قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور پیش ہونے کے متعلق گزارشات پیش خدمت ہیں۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق کفار و مشرکین دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور پیش ہونے کو ناممکن خیال کرتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَءِذَا كُنَّا تُرَٰبًا وَءَابَآؤُنَآ أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ۝ ﴾ [1]

"یہ منکرین کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو چکے ہوں گے تو ہمیں قبروں سے نکالا جائے گا؟ یہ خبریں ہم کو بھی بہت دی گئی ہیں اور پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو بھی دی جاتی رہی ہیں، مگر یہ سب افسانے ہی افسانے ہیں جو اگلے وقتوں سے سنتے چلے آرہے ہیں۔"

ایک اور جگہ پر ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ ﴾ [2]

"منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔"

ایک دوسرے مقام پر اس کھلی حقیقت کو جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ نے بڑے تعجب کا اظہار کیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَءِذَا كُنَّا تُرَٰبًا أَءِنَّا لَفِى خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ ﴾ [3]

"اور اگر تم تعجب کرو تو تعجب کے قابل ان کا یہ دعویٰ ہے کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو ہم ازسرنو وجود میں آئیں گے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کے خلق و تدبیر کی ان نشانیوں کی موجودگی میں تعجب کرنے کی وہ بات نہیں ہے جن سے تم لوگوں کو آگاہ کر رہے ہو بلکہ تعجب کے قابل

---

[1] ۲۷/ النمل: ٦٧، ٦٨۔ [2] ٦٤/ التغابن: ۷۔ [3] ۱۳/ الرعد: ۵۔

خود ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جب ہم سڑ گل کر خاک ہو جائیں گے تو کیا از سر نو زندہ کیے جائیں گے۔

حدیث میں منکرین کے اس دعوے کو اللہ کی تکذیب سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور یہ اس کے لیے مناسب نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور یہ بھی اس کے لیے مناسب نہ تھا، اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے، وہ دعویٰ کرتا ہے کہ جس طرح اللہ نے مجھے ابتدا میں پیدا کیا تھا اب اسی حالت میں مجھے دوبارہ نہیں اٹھائے گا حالانکہ اسے دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے حالانکہ میں اکیلا بے نیاز ہوں، نہ میری اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ ہی میرا کوئی ہمسر وہم پلہ ہے۔'' [1]

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور حساب کے لیے پیش ہونا ایک ایسا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسول ﷺ سے تین مختلف مقامات پر فرمایا ہے کہ اپنے رب کی قسم اٹھا کر لوگوں سے کہو کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ [2]

''منکرین پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ حق ہے؟ کہو میرے رب کی قسم! یقیناً یہ حق ہے اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے ہو کہ اسے روک سکو۔''

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ﴾ [3]

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ٤٩٧٤۔ [2] ١٠/ یونس: ٥٣۔ [3] ٣٤/ السبا: ٣۔

"منکرین کہتے ہیں کیا بات ہے کہ قیامت ہم پر نہیں آرہی؟ کہو میرے رب کی قسم! وہ تم پر آ کر رہے گی۔"

☆ فرمان الٰہی ہے:

﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ [1]

"منکرین نے بڑے دعوے سے کہا کہ ہم مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ زندہ نہیں اٹھائے جائیں گے، ان سے کہو کیوں نہیں میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کچھ کیا اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔"

اس آخری آیت میں اس مقصد سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے جس کے لیے انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا کہ دنیا میں کی ہوئی بھلائی یا برائی کا اسے بدلہ دیا جائے۔ یہ بات آخرت کے ضروری ہونے کی دلیل بھی ہے نیز اس آیت کا آخری حصہ آخرت کے ممکن ہونے کی دلیل ہے کہ جس اللہ کے لیے کائنات کا اتنا بڑا نظام بنا دینا دشوار نہ تھا اور جس کے لیے اس دنیا میں انسانوں کو پیدا کرنا دشوار نہیں ہے اس کے لیے آخر یہ بات کیوں دشوار ہوگی کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کر کے اپنے سامنے حاضر کر لے اور ان کا حساب لے، خود اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کو بڑے زوردار انداز میں بیان فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ

[1] ٦٤/ التغابن: ٧۔

هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ۝﴾ [1]

"اے لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے میں شک ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر یہ حقیقت واضح کریں کہ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمہیں ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں، (پھر تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے، تاکہ سب کچھ ماننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی تھی پھر جہاں ہم نے بارش برسائی، وہاں یکا یک لہلہا اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنا شروع کر دیں یہ سب کچھ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے، وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی، اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں جا چکے ہیں۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین پر بارش کے اثرات اور نباتات کی پیداوار کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے لیے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں جو جگہ جگہ زمین پر پیوند خاک بنی ہوئی تھیں ان میں کہیں بھی زندگی کا نشان تک نہ تھا یہ خشک زمین اس طرح کے لاکھوں مردوں کا قبرستان تھی مگر جونہی بارش کے

---

[1] ۲۲/ الحج: ۵، ٦، ۷۔

پانی کا ایک چھینٹا پڑا ہر طرف زندگی لہلہانے لگی، ہر مردہ جڑ جی اٹھی اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل میں نمودار ہوا۔ یہ احیائے اموات کا عمل ہر موسم برسات میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مرتبہ اس حقیقت کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [1]

''اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین خشک سونی پڑی ہوئی ہے پھر جونہی ہم نے اس پر پانی برسایا تو وہ شاداب ہوگئی اور پھولنے لگی تو جس نے زمین کو آباد کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہ تو مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثال ہے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق ایک مثال بیان کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے معبود کی قسم! اللہ اس روئے زمین پر کسی مقتول یا مدفون میت کو نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی قبر کو سر کی جانب سے کھول کر اسے سیدھا بٹھائے گا پھر وہ پوچھے گا کہ تم کس حالت میں ہو وہ جواب دے گا بس کل اور آج کی بات ہے وہ خود کو اپنے گھر والوں کے ساتھ قریبی مدت میں محسوس کرے گا یعنی وہ ابھی ابھی ان سے جدا ہوا ہے۔'' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! جب ہم گل سڑ جائیں گے ہوا ہمیں اڑا دے گی، درندے ہمیں کھا چکے ہوں گے تب اللہ ہمیں دوبارہ کیسے اکٹھا کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ''میں اس کی مثال تمہیں اللہ کی نعمتوں سے دیتا ہوں کہ زمین انتہائی خستگی کی حالت میں تھی اور تم کہتے تھے کہ یہ زندہ نہیں ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت اس پر

[1] ٤١/ حم السجدة: ٣٩۔

نازل کی اس کے بعد وہ چند دنوں میں چمک اٹھی اور وہ الگ گھاٹ بن گئی تمہارے رب کی قسم! وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہیں پانی میں سے اکٹھا کرے اور زمین کے سبزہ زاروں سے اکٹھا کر لے، یقیناً وہ تمہیں تمہارے مرنے کی جگہ سے اٹھائے گا۔'' [1]

واضح رہے کہ میدان محشر میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ [2]

''اجتماع کے دن اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔''

یعنی ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جتنے بھی لوگ پیدا ہوئے ہوں گے ان سب کو بیک وقت زندہ کر کے میدان محشر میں حساب لینے کے لیے جمع کرے گا، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے مثلاً:

ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴾ [3]

''وہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب انسان جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اس دن ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔''

ب۔ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ إِلٰى مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴾ [4]

''ان سے کہو، تمام پہلے گزرے ہوئے اور بعد میں آنے والے لوگ یقیناً ایک مقرر دن کے وقت جمع کیے جانے ہیں۔''

اتنے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا جائے گا اس کا نام میدان محشر ہے، چنانچہ موجودہ زمین وآسمان پر مبنی نظام شمسی میں تبدیلی لا کر اسی جگہ میدان محشر قائم کر دیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] مسند امام احمد، ص: ٥٨٤، ج٤۔ [2] ٦٤/ التغابن: ٩۔

[3] ١١/ هود: ١٠٣۔ [4] ٥٦/ الواقعة: ٥٠۔

﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ ❶

''جس دن یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور پھر سب لوگ اللہ واحد قہار کے روبرو پیش ہوں گے۔''

آیت کریمہ میں دونوں احتمال یہ ہیں کہ یہ تبدیلی صفات کے لحاظ سے ہوگی یا ذات کے لحاظ سے یعنی یہ آسمان وزمین اپنی صفات کے لحاظ سے بدل جائیں گے یا ذاتی طور پر یہ تبدیلی آئے گی نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان۔ زمین بھی کوئی اور ہوگی اور آسمان بھی کوئی دوسرے ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے ''قیامت کے دن لوگ سفید بھوری زمین میں اکٹھے ہوں گے جو میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی کا کوئی نشان نہیں ہوگا۔'' ❷

اور اس حشر کا آغاز نفخ صور سے ہوگا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴾ ❸

''پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکا یک لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔''

پھر لوگ بڑی تیزی سے دوڑیں گے، جیسا کہ قرآن مجید کی وضاحت ہے:

﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا ﴾ ❹

''اس دن لوگ اپنی قبروں سے نکل کر بڑی تیزی سے دوڑیں گے۔''

دوڑنے کی کیفیت بایں الفاظ بیان ہوئی ہے:

﴿ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴾ ❺

''اپنے سر اوپر کی جانب اٹھائے ہوئے ہوں گے، آنکھیں کھلی ہوں گی پلکوں میں حرکت بھی نہیں ہوگی اور مارے گھبراہٹ کے ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے۔''

ایک دوسرے مقام پر اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

---

❶ ١٤/ ابراهيم: ٤٨۔ ❷ صحيح مسلم، صفات المنافقين: ٢٧٩٠۔

❸ ٣٦/ يٰسين: ٥١۔ ❹ ٧٠/ المعارج: ٤٣۔ ❺ ١٤/ ابراهيم: ٤٣۔

﴿ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝ ﴾ [1]

''جس دن صور پھونک دیا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس دن میدان محشر میں اکٹھا کریں گے ان کی آنکھیں (مارے خوف کے) نیلی پتھرائی ہوئی ہوں گی، چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم لوگ (دنیا میں) صرف چند دن رہے تھے ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں جبکہ ان میں سب سے اچھی رائے والا کہے گا کہ تم لوگ تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے۔''

آخرت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دنیا میں گزارے ہوئے خوشیوں کے دن چند روز لگیں گے اور افسوس کریں گے کہ کاش! ہم نے صلاح وتقویٰ کی زندگی گزاری ہوتی تو اس ابدی زندگی میں ذلت ورسوائی اور عذاب وعتاب کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ میدان محشر میں تمام لوگ اللہ کے حضور سلیقے سے قطاروں میں پیش ہوں گے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا ﴾ [2]

''اور سب کے سب آپ کے رب کے حضور صف درصف پیش کیے جائیں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ ﴾ [3]

''اس دن تمام لوگ داعیٔ محشر کے پیچھے چل پڑیں گے اور کوئی بھی اپنی لائن سے اِدھر اُدھر نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے رعب ودبدبہ کی وجہ سے پورے میدان محشر پر سکوت طاری ہوگا کوئی دھیمی آواز بھی نہیں سنائی دے گی۔''

حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائے گا یہاں تک کہ ان سے صرف ایک میل کے بقدر رہ جائے گا اور اس کی گرمی سے لوگ اپنے اعمال کے بقدر پسینہ پسینہ ہو جائیں گے، بعض وہ

[1] ۲۰/ طٰہٰ: ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴۔ [2] ۱۸/ الکہف: ۴۸۔ [3] ۲۰/ طٰہٰ: ۱۰۸۔

ہوں گے جن کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک آئے گا اور بعض کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا اور کچھ کمر تک اور بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے منہ میں جا رہا ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ بیان نقل ہوا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے بدن سے اس قدر پسینہ خارج ہوگا کہ وہ زمین میں ستر گز تک چلا جائے گا۔ [2]

میدان محشر میں اعمال کے لحاظ سے لوگوں کی چند اقسام ہوں گی جس کی وضاحت حدیث میں بایں الفاظ ہے: ''قیامت کے دن سب آدمی تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے ایک قسم پیدل چلنے والے، ایک قسم سوار اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے۔'' عرض کیا گیا یارسول اللہ! لوگ منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے۔'' [3]

یہ روایت اختصار کے ساتھ صحیح بخاری (کتاب الرقاق:۶۵۲۳) میں بھی ہے۔ اس کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ﴾ [4]

''ہم ان کافروں کو قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اکٹھا کریں گے بایں حالت کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔''

نیز جس حالت میں لوگوں کو پیدا کیا گیا تھا اسی حالت میں انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ [5]

''ہم نے جس حالت میں انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی حالت میں انہیں دوبارہ اٹھائیں گے۔''

حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تم

---

[1] صحیح مسلم، الجنۃ: ۲۸۶۴۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ۶۵۳۲۔
[3] جامع ترمذی، التفسیر: ۳۱۴۲۔ [4] ۱۷/ بنی اسرائیل: ۹۷۔
[5] ۲۱/ الانبیاء: ۱۰۴۔

لوگ (قیامت کے دن) ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے۔"
یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر تو مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا: "حالات اتنے سخت ہوں گے کہ لوگوں کو اس کا خیال بھی نہیں گزرے گا۔" [1]

ایسے حالات میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ [2]
میدان محشر میں اہل ایمان کے ساتھ مہمانوں جیسا سلوک کیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴾ [3]

"اس دن پرہیز گاروں کو اللہ کے حضور مہمانوں کی طرح پیش کریں گے۔"

نیز فرمایا:

﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴾ [4]

"اہل ایمان کو سب سے بڑی گھبراہٹ پریشان نہیں کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہیں گے یہی ہے تم لوگوں کا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

ان سے فرشتے کہیں گے:

﴿ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴾ [5]

"ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے دوست اور مددگار رہے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور وہاں تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی تمہارا نفس خواہش کرے گا اور وہ چیز جس کی تم تمنا کرو گے، بڑے معاف کرنے والے، بے حد رحم کرنے والے اللہ کی جانب سے تمہاری میزبانی ہوگی۔"

[1] صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٢٧۔ [2] صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٢٦۔
[3] ١٩/ مریم: ٨٥۔ [4] ٢١/ الانبیاء: ١٠٣۔ [5] ٤١/ حم السجدة: ٣١، ٣٢۔

حساب و کتاب

محشر کے میدان میں لوگوں سے کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان سب کو حساب کے لیے اکٹھا کرو میں نے ان سے باز پرس کرنا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ لوگوں سے حساب لینے کے لیے نزولِ اجلال فرمائیں گے پھر ان کا محاسبہ ہوگا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس موقع پر عام انسان کی یہ حالت ہوگی کہ اس کا پسینہ کانوں کی لو تک پہنچا ہوا ہوگا۔'' [1]

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے ان کی حالت یہ ہوگی کہ ان کا پسینہ زمین پر ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور منہ تک پہنچ کر کانوں کو چھونے لگے گا۔'' [2]

یہ حالت اس لیے ہوگی کہ تمام لوگ ایک جگہ پر اکٹھے ہوں گے، سورج کی حرارت میں دس گنا اضافہ کر کے اسے زمین کے بالکل قریب کر دیا جائے گا اور زمین آگ کے کوئلے کی طرح سرخ ہو جائے گی، اس پر کوئی سایہ دار چیز نہیں ہوگی کھڑے ہونے کے لیے صرف اتنی جگہ ملے گی کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھے جا سکیں، قبروں سے بدحواسی کے عالم میں پیاسے نکلے ہوں گے کوئی کسی سے نہیں پوچھے گا کہ تم کس حال میں ہو، ہر انسان کی یہ خواہش ہوگی کہ اس کربناک منظر اور جگر پاش حالات سے نجات مل جائے خواہ اسے آگ میں ہی کیوں نہ پھینک دیا جائے اس کے لیے لوگ جو چارہ جوئی کریں گے اس کی تفصیل رسول اللہ ﷺ بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اس وقت کہیں گے کہ اگر ہم اپنے رب کے حضور کسی کی سفارش لے جائیں تو نفع بخش ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ ہم اس کربناک حالت سے نجات پا جائیں، چنانچہ وہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٣١۔

[2] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٣٢۔

کریں گے کہ آپ ہی وہ بزرگ نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ کے اندر اپنی طرف سے روح پھونکی پھر فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا آپ ہمارے رب کے حضور ہماری سفارش کریں، حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں پھر وہ اپنی لغزش یاد کریں گے اور کہیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے میں اس سفارش کے لائق نہیں ہوں وہ اپنی لغزش کو یاد کریں گے اور کہیں گے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جنہیں اللہ نے اپنا خلیل بنایا تھا۔ لوگ ان کے پاس آئیں گے لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے اور کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور کہیں گے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی غلطی کو یاد کریں گے پھر کہیں گے کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن یہ بھی کہہ دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں تم سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ کیونکہ ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اس وقت اپنے رب سے سفارش کی اجازت چاہوں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جتنا چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھا لو، مانگو دیا جائے گا، کہو سنا جائے گا، سفارش کرو قبول کی جائے گی، میں اپنے رب کی اس وقت ایسی حمد و ثنا کروں گا جو اللہ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش کروں گا۔“ [1]

اس سفارش کا نام شفاعت عظمیٰ ہے اور یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہوگا جو اور کسی رسول کو نہیں ملے گا، ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے حساب لے کر انہیں فارغ کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک آواز دینے والا آواز دے گا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کہاں ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کرے گا کہ آپ اپنی

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٦٥۔

امت کے متعلق کس قسم کے سلوک کے خواہش مند ہیں تو رسول اللہ ﷺ عرض کریں گے کہ اللہ تو ان کا جلدی حساب لے لے۔ (مسند امام احمد)

پھر اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ آپ جنت کے دائیں جانب بڑے گیٹ سے اپنی امت کے ان افراد کو داخل کریں جن کے ذمے کوئی حساب نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی سزا کے حق دار ہیں۔

اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک جم غفیر دکھایا اور فرمایا کہ ان کے آگے جو ستر ہزار افراد ہیں ان لوگوں سے نہ حساب لیا جائے گا اور نہ ان پر کوئی عذاب ہوگا۔'' میں نے عرض کیا ایسا کیوں ہے؟ تو فرمایا: ''یہ لوگ داغ نہیں لگواتے، دم جھاڑ نہیں کرواتے، شگون نہیں لیتے بلکہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔'' [1]

اس کے بعد وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کا حساب و کتاب ہوگا۔ اس کے بعد لوگوں کا حساب لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائیں گے جیسا اس کے شایانِ شان ہوگا۔ ہم اس کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی تاویل کرتے ہیں یہ نزول مبنی بر حقیقت ہوگا۔ پھر تمام لوگوں کو اللہ کے حضور حساب کے لیے صف بستہ پیش کیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا ﴾ [2]

''اور سب کے سب تیرے رب کے حضور صف در صف حاضر کیے جائیں گے۔''

پیشی کے وقت لوگوں کا کوئی راز اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴾ [3]

''اس دن تم سب اللہ کے حضور پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہیں رہے گا۔''

---

[1] صحيح بخاري، حديث نمبر: ٦٥٤١۔

[2] ١٨/ الكهف: ٤٨۔ [3] ٦٩/ الحاقة: ١٨۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پیشی خود انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مزید وضاحت ہے:

﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ ❶

''جس دن اس زمین کو ایک دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی، پھر سب کے سب اللہ واحد قہار کے روبرو پیش ہوں گے۔''

اس پیشی کا مقصد یہ ہوگا کہ انہیں دنیا میں کیے ہوئے کردار واعمال سے آگاہ کیا جائے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ ❷

''اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھائیں جائیں، پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور بعض نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

نیز یہ پیشی انفرادی حیثیت سے ہوگی۔ خاندان، جتھے، پارٹیاں اور قومیں سب بکھر جائیں گی، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ❸

''لو! اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ ❹

''ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اللہ کے حضور اکیلا پیش ہوگا۔''

---

❶ ١٤/ ابراهيم: ٤٨۔ ❷ ٩٩/ الزلزال: ٦ تا ٨۔
❸ ٦/ الأنعام: ٩٤۔ ❹ ١٩/ مريم: ٩٥۔

پھر ان پر بایں الفاظ میں فرد جرم عائد کی جائے گی، جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا:

﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ ❶

''تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم نے ان کا علمی احاطہ نہ کیا تھا اگر یہ نہیں تو اور تم کیا کر رہے تھے؟''

یعنی جھٹلانے کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ کسی علمی ذریعہ سے تحقیق کر کے تمہیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ آیات جھوٹی ہیں تم نے تحقیق اور غور و فکر کے بغیر بس یوں ہی ہماری آیات کو بازیچہ اطفال بنایا اور ان کی تکذیب کر ڈالی۔

حدیث میں حساب کے متعلق بایں الفاظ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس سے سخت حساب لیا جائے گا وہ تو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔''

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ جسے اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! اس سے مراد صرف پیشی ہے حساب کی جانچ و پڑتال نہیں۔'' ❷

نیز حدیث میں ہے: ''قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر زمین بھر کر تیرے پاس سونا ہو تو کیا سب سونا (اپنی نجات کے لیے) بطور فدیہ دے دے گا؟ وہ کہے گا ہاں! تو اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تجھ سے اس سے بہت آسان چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن تو نے اسے پورا نہ کیا یعنی توحید پر کاربند رہنے اور شرک سے دور رہنے کا مطالبہ تھا۔'' ❸ اس پیشی کا منظر حدیث میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ''تم میں ہر فرد سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمکلام ہو گا کہ اللہ اور

❶ ٢٧/ النمل: ٨٤۔ ❷ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٣٦۔

❸ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٣٨۔

بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا پھر بندہ دیکھے گا تو اس کے آگے اسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو اسے آگ نظر آئے گی لہٰذا جو شخص آگ سے بچنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ صدقہ وخیرات کرے خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔'' ❶

مومن کی پردہ پوشی کا منظر بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ''تم میں سے ایک مومن اپنے رب کے قریب ہوگا یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور فرمائے گا کہ تو نے یہ عمل کیا، تو نے یہ عمل کیا، بندہ ان کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج میں ان سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔'' ❷

اس کے بعد انسانی اعمال پر مشتمل صحیفے کھولے جائیں گے اور ان کی جانچ پڑتال کی جائے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴾ ❸

''اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے۔''

اس کی مزید وضاحت بایں الفاظ ہے:

﴿ وَوُضِعَ الْكِتَٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَٰوَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَىٰهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴾ ❹

''اعمال کی کتاب کھول کر رکھ دی جائے گی تو تم جرم پیشہ لوگوں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے شامت! یہ کیسی کتاب ہے اس نے نہ چھوٹی بات کو چھوڑا اور نہ بڑی بات کو مگر اسے لکھ رکھا ہے انہوں نے جو عمل کیے ہوں گے، سب کو حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔''

نیز فرمایا:

❶ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٣٩۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب التوبہ: ٢٧٦٨۔

❸ ٨١/ التکویر: ١٠۔ ❹ ١٨/ الکھف: ٤٩۔

﴿ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِى عُنُقِهِۦ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنشُورًا ﴿١٣﴾ ٱقْرَأْ كِتَٰبَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ ٱلْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾ ﴾ [1]

''ہم نے ہر انسان کا نامہ اعمال اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے، قیامت کے دن وہ کتاب اسے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا اور اسے کہا جائے گا اپنا اعمال نامہ پڑھ لے اور اپنا محاسبہ خود کر لے۔''

انسانی افعال واعمال کو ثبت کرنے اور دوبارہ ان کو بعینہ اس شکل میں پیش کر دینے کی متعدد صورتیں تو اس دنیا میں انسان دریافت کر چکا ہے اور ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آئندہ اس کے اور کیا امکانات پوشیدہ ہیں جو کبھی اس مشتِ خاک ہی کی گرفت میں آ جائیں گے اب کس کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح انسان کی ایک ایک بات اور اس کی حرکات وسکنات میں سے ایک ایک چیز، اس کی نیتوں، ارادوں، خواہشات وخیالات میں سے ہر مخفی سے مخفی شے کو ثبت کرا رہا ہے اور کس طرح وہ ہر آدمی کا پورا کارنامہ حیات بے کم وکاست اس کے سامنے لائے گا ہمیں تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہیں دے گا بلکہ عدل وانصاف کی تمام شرائط کو پورا کیا جائے گا پھر سزا سنائی جائے گی اسی لیے دنیا میں ہر شخص کے اقوال وافعال کا مکمل ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے، تاکہ اس کی کارگزاریوں کا پورا ثبوت ناقابل انکار شہادتوں سے فراہم ہو جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَٰذَا كِتَٰبُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِٱلْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ ﴾ [2]

''یہ ہمارا تیار کرایا ہوا اعمال نامہ ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے جو کچھ بھی تم کرتے تھے ہم اسے لکھواتے جا رہے تھے۔''

انسانی اعمال واقوال کے ریکارڈ تیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر دو فرشتوں کو تعینات کیا ہے جو بالکل بے لاگ طریقہ سے انسان کے اچھے اور برے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں، ان راست باز نگران فرشتوں سے انسان کا کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہوگا خواہ اسے اندھیرے، خلوت، سنسان جنگل یا کسی ایسی حالت میں کیا گیا ہو کہ انسان کو پورا

---

[1] ١٧/ الاسراء: ١٣، ١٤۔ [2] ٤٥/ الجاثية: ٢٩۔

اطمینان ہو کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ نگاہ خلق سے مخفی رہ گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ ﴾ [1]

''یقیناً تم پر نگران مقرر ہیں ایسے مقرر کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔''

ان نگران فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ''کراماً کاتبین'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی ایسے کاتب جو انتہائی معزز ہیں کسی سے نہ ذاتی محبت رکھتے ہیں نہ عداوت کہ ایک کی بے جا رعایت اور دوسرے کی ناروا مخالفت کر کے خلاف واقعہ ریکارڈ تیار کریں، خائن بھی نہیں ہیں کہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے بغیر خود غلط ملط اندراجات کر لیں، رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کر دیں، ان کا مقام ان تمام اخلاقی کمزوریوں سے بالا ہے اس لیے نیک و بد دونوں قسم کے انسانوں کو مطمئن رہنا چاہیے کہ ہر ایک کی نیکی بدی بے کم وکاست ریکارڈ ہوگی اور کسی کے ذمے کوئی ایسی بدی نہ ڈالی جائے گی جو اس نے نہ کی ہو پھر ان فرشتوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''جو کچھ تم کرتے ہو، اسے وہ جانتے ہیں۔'' یعنی ان کا حال دنیا کی خفیہ ایجنسیوں جیسا نہیں کہ ساری تگ ودو کے باوجود بہت سی باتیں ان سے چھپی رہ جاتی ہیں نگران، فرشتے ہر ایک کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ اسے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے اس لیے ان کا مرتب کردہ ریکارڈ ایک مکمل ریکارڈ ہے جس میں درج ہونے سے کوئی بات رہ نہیں گئی۔ یہ تو انسانی اعمال کی بات تھی اب ان کے اقوال کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ ﴾ [2]

''دو کاتب اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں، کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران

[1] ۸۲/ الانفطار: ۱۱، ۱۲۔ [2] ۵۰/ ق: ۱۷، ۱۸۔

موجود نہ ہو۔“

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت اللہ کی عدالت میں انسان کی پیشی ہوگی اس وقت اللہ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ کون کیا کر کے آیا ہے؟ اور اس پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ بھی ہوں گے جو اس کے اعمال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے۔

گواہوں کے متعلق ایک منظر حدیث میں بھی بیان ہوا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”قیامت کے دن جب ایک بندہ اللہ کے حضور پیش ہوگا تو اللہ اسے فرمائے گا اے فلاں! کیا میں نے تجھے دنیا میں عزت نہ دی تھی، کیا تجھے تیری قوم میں سرداری نہ دی تھی، کیا تجھے بیوی نہیں عطا کی تھی، کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ (جیسی سواری کو) مسخر نہیں کیا تھا، کیا میں نے تجھے مہلت نہیں دی، تاکہ تو حکومت اور سرداری کرے؟ وہ بندہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار، آپ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرمایا تھا پھر اس سے فرمائے گا تو کیا تجھے اس کا خیال تھا کہ تو ایک دن میرے سامنے آئے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھے اسی طرح بھلائے دیتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا، اس کے بعد ایک دوسرے بندے کا سامنا ہوگا اس سے بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح فرمائے گا پھر ایک تیسرا بندہ سامنے آئے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح فرمائے گا۔ یہ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں تجھ پر ایمان لایا، تیری کتاب کو مانا، تیرے رسولوں کی تصدیق کی، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور صدقہ بھی دیا وہ بندہ اپنے کارنامے بیان کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا بس رک جا! ہم ابھی تیرے خلاف ایک گواہ لاتے ہیں بندہ اپنے دل میں سوچے گا کہ وہ کون ہوگا جو میرے خلاف گواہی دے گا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران کو حکم دیا جائے گا کہ بول کر گواہی دے، اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے کردار کے متعلق گواہی دیں گے اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرے گا کہ اس کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور یہ منافق ہوگا جس پر اللہ انتہائی ناراض ہوگا۔“ [1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن گواہ اس لیے پیش کیے جائیں گے کہ جرم

[1] صحیح مسلم، الزھد: ۲۹۶۸۔

پیشہ لوگ صحت جرم سے انکار کر دیں گے بلکہ بعض بے حیا اس وقت غلط بیانی بھی کریں گے پھر اللہ تعالیٰ خود انہی کے اعضا اور گوشت و پوست سے ان کے خلاف گواہی دلوا کر ان پر حجت قائم کر دیں گے اس طرح علی رؤس الاشہاد ان کا جھوٹ واضح کر کے انہیں ذلیل اور خوار کیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ ﴾ [1]

"جس روز ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے اور مشرکین سے پوچھیں گے کہ اب وہ تمہارے خود ساختہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم اپنا حاجت روا سمجھتے تھے تو وہ اس کے سوا اور کوئی فتنہ نہیں اٹھا سکیں گے کہ (یہ جھوٹا بیان دیں کہ) اے ہمارے آقا، تیری قسم! ہم ہرگز شرک نہ کرتے تھے۔"

اللہ کے حضور ان لوگوں کی کس قدر دیدہ دلیری ہے کہ وہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں رہیں گے، ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں کو سیل کر دیں گے اور دیگر اعضا سے ان کے خلاف گواہی لی جائے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ﴾ [2]

"آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں اب ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔"

یہ معاملہ ان مجرمین سے کیا جائے گا جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کر دیں گے، نامہ اعمال کی صحت بھی تسلیم نہیں کریں گے اور گواہیوں کو بھی جھٹلا دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اچھا اب اپنی بکواس بند کرو اور دیکھو تمہارے اپنے اعضا تمہارے کردار کی روداد سناتے ہیں اس مقام پر صرف ہاتھوں اور پاؤں کی شہادت کا ذکر ہے مگر دوسرے

[1] ٦/ الانعام: ٢٢، ٢٣۔ [2] ٣٦/ يسين: ٦٥۔

مقامات پر بتایا گیا ہے کہ خود ان کی زبانیں بھی بول اٹھیں گی حتی کہ ان کے جسم کی کھالیں بھی پوری داستان زندگی سنا دیں گی کہ وہ ان سے کیا کام لیتے رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾ [1]

"اس دن ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کے خلاف گواہی دیں گے۔"

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم ان کے منہ بند کر دیں گے اور دوسری طرف فرمایا ہے کہ ان کی زبانیں گواہی دیں گی۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منہ بند کر دینے سے مراد ان کا اختیارِ کلام سلب کر لینا ہے یعنی اس کے بعد وہ اپنی زبان سے اپنی مرضی کے مطابق بات نہیں کر سکیں گے اور زبانوں کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ ان کی زبانیں گوشت کا ٹکڑا ہونے کی حیثیت سے خود یہ داستان سنانا شروع کر دیں گی کہ ہم سے ان ظالموں نے کیا کام لیا تھا، کیسے کیسے کفر بکے تھے، کیا کیا جھوٹ بولے تھے، کیا کیا فتنے برپا کیے تھے اور کس کس موقع پر انہوں نے ہمارے ذریعہ سے کیا کیا باتیں کی تھیں۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے:

﴿ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ [2]

"ان کے خلاف ان کا کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جرم پیشہ لوگ تمام شہادتوں کے جھٹلانے پر تل جائیں

---

[1] ٢٤/ النور: ٢٤۔ [2] ٤١/ حم السجدة: ٢٠، ٢١۔

گے تو پھر اللہ کے حکم سے جسم کے اعضا ایک ایک کر کے شہادت دیں گے کہ اس نے ان سے کیا کیا کام لیے تھے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن صرف اعضائے انسانی ہی گواہی نہیں دیں گے بلکہ ہر وہ چیز بول اٹھے گی جس کے سامنے انسان نے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہوگا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۗ﴾ [1]

''زمین اپنے تمام بوجھ نکال پھینکے گی جو اس کے اندر بھرے پڑے ہیں اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا، اس روز زمین اپنی تمام سرگزشت سنا دے گی (یعنی جو کچھ انسان نے اس کی پیٹھ پر کیا ہے اس کی ساری داستان بیان کر دے گی۔) کیونکہ تیرا رب اسے بیان کرنے کا حکم دے چکا ہوگا۔''

آج کل کی سائنسی ایجادات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو کچھ بولتا ہے اس کے نقوش ہوا میں ریڈیائی لہروں میں، گھروں کی دیواروں اور چھت کے ذرے ذرے میں ثبت ہیں اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے ان تمام آوازوں کو ٹھیک اسی طرح ان چیزوں سے دہرا سکتا ہے جس طرح کہ وہ انسان کے منہ سے نکلتی تھیں۔ انسان اپنے کانوں سے اس وقت سن لے گا کہ یہ اس کی اپنی آواز ہے اور اس کے جاننے والے سب پہچان لیں گے کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں وہ اس شخص کی آواز اور اسی کا لہجہ ہے۔

آخر کار وہ اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اور کف افسوس ملیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [2]

''اس طرح وہ اپنے قصور کا خود اعتراف کر لیں گے لعنت ہے ان دوزخیوں پر۔''

اس کے بعد ان کے اعمال کے متعلق دستاویزی ثبوت (اعمال نامہ) ان کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، معیار یہ ہوگا کہ جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملا وہ کامیاب

---

[1] ۹۹/ زلزال: ۲ تا ۵۔ [2] ٦٧/ الملك: ١١۔

جبکہ بائیں ہاتھ میں دیا جانے والا نا کام ونامراد ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۚ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۚ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۚ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴾ [1]

''اس وقت جس کا اعمال نامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا لو دیکھو، پڑھو میرا نامہ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا، بہشت بریں میں، جس کے پھلوں کے گچھے جھکے پڑے ہوں گے ایسے لوگوں سے کہا جائے گا مزے سے کھاؤ اور پیو! اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے ہیں۔''

ناکام ونامراد کے متعلق قرآن میں ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ ﴾ [2]

''اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے کاش! میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی، آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا میرا سارا اقتدار ختم ہوگیا۔ (حکم ہوگا) پکڑ واسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے جہنم میں جھونک دو پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔''

ایک مقام پر ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ ﴾ [3]

[1] ٦٩/ الحاقة: ١٨ تا ٢٤۔ [2] ٦٩/ الحاقة: ٢٥ تا ٣٢۔ [3] ٨٤/ الانشقاق: ١٠۔

''اس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔''

اس کی صورت یہ ہوگی مجرم کو پتہ ہوگا کہ اس کے اعمال نامہ میں کیا ہے؟ اس لیے وہ انتہائی بددلی کے ساتھ اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر اسے لے گا اور فوراً پیٹھ کے پیچھے چھپا لے گا، تاکہ کوئی دیکھ نہ پائے یا وہ اپنا نامہ اعمال بائیں ہاتھ سے لینے میں خفت محسوس کرے گا اسی لیے وہ ہاتھ پیچھے کرلے گا۔ لیکن اس کا سینہ چیر کر پیچھے سے اس کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پکڑا دیا جائے گا۔

حوض

آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ ہم ان حالات و واقعات پر بھی یقین رکھیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مطلع کیا ہے ان میں سے ایک حوض ہے، اس کے متعلق اس کثرت سے روایات منقول ہیں کہ ان کی صحت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے گویا وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثر سے مراد دو چیزیں ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو عطا فرمائیں گے، ایک تو حوض کوثر ہے جو میدان محشر میں آپ کو عطا ہوگا جبکہ لوگ مارے پیاس کے العطش العطش کہہ رہے ہوں گے، آپ کی امت آپ کے پاس اس پر حاضر ہوگی اور اس سے سیراب ہوگی، دوسری نہر کوثر ہے جو جنت میں آپ کو عطا فرمائی جائے گی، حوض کوثر جو جنت کے باہر ہوگا اس کا مرکزی چشمہ یہی نہر کوثر ہوگی جو جنت کے اندر ہے، جنت کے اندر بھی اس کی شاخیں ہر طرف موجود ہوں گی، حوض کوثر، سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے جس کی حسب ذیل تفاصیل رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں:

1. رسول اللہ ﷺ وہاں سب سے پہلے پہنچے ہوئے ہوں گے اور اس کے وسط میں تشریف فرما ہوں گے حدیث میں ہے: ''میں میر کارواں کی حیثیت سے تم سب سے پہلے وہاں موجود ہوں گا۔'' [1]

ایک موقع پر آپ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''میرے بعد تمہیں خود غرضی اور مفاد پرستی سے پالا پڑے گا اس پر صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملو۔'' [2]

اس حوض کوثر پر آپ کی امت وارد ہوگی اور اس سے سیراب ہوگی۔ [3]

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے حوض کوثر کے متعلق کچھ سنا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ایک نہیں، دو نہیں، تین نہیں، چار نہیں، پانچ نہیں بلکہ بار بار سنا ہے جو اسے جھٹلائے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کا پانی پینا نصیب نہ

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٨٩۔ [2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار: ٣٧٩٢۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ: ٨٩٤۔

کرے۔ ❶

❷ اس کی وسعت کے متعلق مختلف روایات ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تمہارے سامنے میرا حوض ہوگا وہ اتنا بڑا ہے جتنا جرباء اوراذرحاء کے درمیان فاصلہ ہے۔'' ❷

جرباء اوراذرحاء شام کے علاقہ میں یہ دو گاؤں ہیں جن میں تین دن کی مسافت ہے۔ ❸

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسافر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینے میں طے کرے گا۔ ❹

ایک روایت میں یہ فاصلہ مدینہ اور صنعاء کا بتایا گیا ہے۔ ❺ ایک حدیث میں اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلے کے برابر بتایا گیا ہے۔ (مسند امام احمد) رسول اللہ ﷺ نے اس کی وسعت بتانے کے لیے ایسے مقامات کی نشاندہی فرمائی جنہیں لوگ جانتے تھے، اصل حقیقت تو قیامت کے دن اس کے سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

❸ حوض کوثر کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں جنت کی نہر کوثر سے پانی لا کر ڈالا جائے گا۔'' ❻

ایک روایت میں ہے کہ جنت کی نہر کوثر سے ایک نہر اس حوض کی طرف کھول دی جائے گی۔ ❼

لہٰذا ہم نہر کوثر کے متعلق اپنے قارئین کو مطلع کرنا چاہتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات میں جنت کی سیر کر رہا تھا کہ میرا گزر ایک عجیب وغریب نہر پر ہوا، اس کے دونوں کنارے اندر سے ترشے ہوئے موتیوں

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب السنه: ٤٧٤٩۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الرقائق: ٦٥٧٧۔
❸ صحیح مسلم، الفضائل: ٢٢٩٩۔ ❹ صحیح مسلم، الفضائل: ٢٢٩٢۔
❺ صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٩١۔ ❻ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ٢٣٠١۔
❼ مسند امام احمد، ص: ٣٩٩ج١۔

یا ہیروں (در مجوف) کے بنے ہوئے تھے میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو تہہ میں تھی) نہایت مہکنے والے مشک کی طرح خوشبودار تھی۔'' ❶

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کے متعلق سوال ہوا تھا تو آپ نے فرمایا: ''وہ نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں عطا کی ہے، اس کی مٹی کستوری ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔'' ❷ بعض روایات میں ہے کہ اس کی تہ میں کنکریوں کے بجائے موتی پڑے ہوئے ہیں، ایک دوسری روایت کے مطابق اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ ❸

❹ اس کے پانی اور آب خوروں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حوض کوثر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، اس کی تہ کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی اور اس پر اتنے کوزے رکھے ہوں گے جتنے آسمان کے تارے ہیں جو اس کا پانی پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی اور جو اس سے محروم رہ گیا ہے وہ کبھی سیراب نہیں ہوگا۔'' ❹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔'' ❺

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس منبر پر خطبہ دیتے تھے وہی منبر حوض پر رکھا جائے گا آپ اس پر فروکش ہو کر حوض کوثر کا پانی تقسیم فرمائیں گے۔

❺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقرا و مہاجرین ہوں گے، پریشان و پراگندہ سروں والے، میلے کچیلے کپڑوں والے، جن کا نکاح خوشحال عورتوں سے نہیں ہو سکتا اور جن کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' ❻

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٨١۔ ❷ مسند امام احمد، ص: ٢٣٦ ج ٣۔
❸ مسند امام احمد، ص: ٢٤٥، ج: ٣۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٧٩۔
❺ صحیح بخاری، کتاب الرقاق۔ ❻ مسند امام احمد، ص: ٢٧٦ ج ٥۔

اس روایت میں حوض کوثر کے اصل حقداروں کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی، دین میں انہماک اور آخرت کا فکر اس قدر رکھنے والے ہوں گے اور اس دنیا میں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا اور وہ اپنی صورتوں کے بناؤ سنگھار کی فکر نہیں رکھیں گے، اس بنا پر خوشحال گھرانوں کی بیٹیاں ان کے نکاح میں نہیں دی جائیں گی اور ان کی پراگندہ شکل وصورت کو دیکھ کر کوئی بھی انہیں خوش آمدید کہنے کے لیے اپنا دروازہ نہیں کھولے گا، وہ اپنی غربت اور دنیوی عیش کی قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم رہیں گے جن میں حوض کوثر برسرفہرست ہوگا۔

6 رسول اللہ ﷺ نے اس حوض کوثر سے محروم رہنے والوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے اپنے زمانے کے لوگوں کو اور اپنے زمانے کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی میرے طریقے سے ہٹ کر چلیں گے یا اس میں ردوبدل کریں گے انہیں اس حوض سے ہٹا دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''میں قیامت کے دن حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا تو ایک گروہ میرے سامنے آئے گا، میں انہیں پہچان لوں گا، اتنے میں میرے اور ان کے درمیان سے ایک شخص (فرشتہ) نکل کر کہے گا اِدھر آؤ! میں کہوں گا انہیں کدھر لے جانا ہے؟ وہ جواب دے گا دوزخ کی طرف، اللہ کی قسم! میں کہوں گا ان کا کیا قصور ہے؟ وہ کہے گا یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد دین سے الٹے پاؤں برگشتہ ہوگئے تھے۔ پھر ان کے بعد ایک گروہ نمودار ہوگا میں ان کو بھی پہچان لوں گا میرے اور ان کے درمیان سے بھی ایک شخص (فرشتہ) نکلے گا اور وہ ان سے کہے گا ادھر آؤ! میں پوچھوں گا انہیں کدھر لے جانا ہے؟ وہ کہے گا آگ کی طرف، اللہ کی قسم! میں کہوں گا کس لیے؟ وہ کہے گا یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی نہیں بچے گا۔ ہاں! جنگل میں آزادانہ چرنے والے اونٹوں کی

طرح چند لوگ رہائی پائیں گے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے: ''فرشتے مجھے جواب دیں گے کہ آپ کو معلوم نہیں ان لوگوں نے آپ کے دین میں کیا نئی نئی باتیں پیدا کر دیں، یہ جواب سن کر میں کہوں گا تباہی اور بربادی ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد اس دین کو بدل ڈالا۔'' [2]

اس حدیث کے مطابق ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ اگر ہم حوض کوثر کے آرزو مند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر کاربند رہیں جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے لے کر آئے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ اور کوئی ردوبدل نہ کریں۔ چنانچہ راوی حدیث ابن ابی ملیکہ کا قول بایں الفاظ مروی ہے:

> ''اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں کہ ایڑیوں کے بل پھر جائیں یا دین کے متعلق کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔'' [3]

اے اللہ! ہمیں بھی دین اسلام پر کاربند رہنے کی اور بدعات و محدثات سے بچنے کی توفیق دے۔ (آمین)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٨٧۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٨٤۔

[3] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦٥٩٣۔

میزان

جب بندوں کا حساب ہو جائے گا تو انہیں جزا و سزا دینے کے لیے ان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جس کے لیے ترازو لگائی جائے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴾ [1]

''قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

یہ ترازو صرف مادی چیزوں کو ہی نہیں بلکہ انسان کے اخلاقی اوصاف و اعمال کا بھی ٹھیک ٹھیک وزن کر کے بتا دے گا کہ یہ کس پایہ کا شخص ہے، نیک ہے تو کتنا نیک اور بد ہے تو کتنا بد۔ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق وزن اور حق دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہوں گے، حق کے علاوہ وہاں کسی چیز کا وزن نہیں ہوگا اور وزن کے علاوہ کوئی چیز حق نہ ہوگی۔ جس کے ساتھ جتنا حق ہوگا اتنا ہی وہ باوزن ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ ۚ ﴾ [2]

''اور وزن اس دن عین حق ہوگا۔''

وہاں جو فیصلہ ہوگا وہ وزن کی بنیاد پر ہوگا کسی دوسری چیز کا ذرہ برابر لحاظ نہیں کیا جائے گا، باطل کی پوری زندگی خواہ کتنی ہی طویل و عریض ہو اور کتنے ہی شاندار کارنامے اس کی پشت پر ہوں، اس ترازو میں بے وزن ہوں گے۔ اس کی وضاحت بھی اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

[1] ۲۱/ الانبیاء: ۴۷۔ [2] ۷/ الاعراف: ۹۔

وَزْنًا﴾ [1]

''کہہ دیجیے! کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے ناکام ونامراد لوگ کون ہیں؟ وہ جن کی ساری سعی وجہد دنیا کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا اس لیے ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے دن ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔''

بعض حضرات نے میزان اور وزن اعمال کا انکار کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ان کی تردید کے لیے باقاعدہ عنوان قائم کیا ہے فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قیامت کے دن ہم عدل وانصاف پر مبنی ترازو قائم کریں گے اور انسانوں کے اعمال واقوال تولے جائیں گے۔'' [2]

قیامت کے دن اعمال وکردار، اقوال وگفتار اور اخلاق وآداب سب کا وزن کیا جائے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اثبات کے لیے درج ذیل حدیث پیش کی ہے:

''دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں، زبان پر انتہائی ہلکے اور ترازو میں نہایت وزنی ہوں گے، وہ کلمات یہ ہیں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))۔'' [3]

میزان اور وزن اعمال کے متعلق درج ذیل واقعہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس کچھ نوکر چاکر ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیانت بھی کرتے ہیں۔ میری نافرمانی ان کا معمول ہے اور میں ان حرکتوں پر کبھی انہیں گالیاں دیتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں۔ قیامت کے دن ان کی وجہ سے میرا کیا حال ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: ''تمہارے ان غلاموں نے تمہاری جو خیانت اور نافرمانی کی ہو گی اور تم سے جو جھوٹ بولے ہوں گے اور تم نے ان کو

---

[1] ۱۸/ الكهف: ۱۰۳ تا ۱۰۵۔ [2] صحيح بخاری، کتاب التوحيد۔

[3] صحيح بخاری، کتاب التوحيد: ۷۵۶۳۔

جو سزائیں دی ہوں گی قیامت کے دن ان کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ اگر تمہاری سزا ان کی کوتاہیوں کے برابر ہوئی تو معاملہ برابر ختم ہو جائے گا نہ تمہیں کچھ ملے گا نہ تمہیں کچھ دینا پڑے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ہوگی تو تمہارا فاضل حق تمہیں وہاں ملے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ہوگی تو تم سے اس کا بدلہ دلوایا جائے گا۔'' جب اس شخص نے یہ جواب سنا تو آپ کے پاس سے ایک طرف ہٹ کر رونے اور چلانے لگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ کا ارشاد نہیں پڑھتے:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ﴾ [1]

ہم قیامت کے دن عدل و انصاف پر مبنی ترازو قائم کریں گے، کسی متنفس پر ذرہ بھر زیادتی نہ ہوگی اور اگر کسی کا حق رائی کے دانے کے برابر ہوگا وہ بھی ہم وہاں حاضر کر دیں گے اور ہم اکیلے حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔''

پھر اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنے لیے اور ان کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں سمجھتا کہ لوجہ اللہ انہیں آزاد کر کے ان کو اپنے سے الگ کر دوں، آپ گواہ رہیں کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا، آج کے بعد وہ آزاد ہیں۔ [2]

ایمان کی یہی شان ہوتی ہے کہ جس چیز میں آخرت کا خطرہ نظر آئے تو اس سے اجتناب کیا جائے خواہ دنیوی لحاظ سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

قیامت کے دن صحائف اعمال کو بھی تولا جائے گا، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے حدیث بطاقہ کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام لوگوں کے سامنے الگ نکالے گا اور اس کے سامنے برائیوں کے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے جن میں سے ہر دفتر کی لمبائی گویا حد نظر تک ہوگی پھر اس سے کہا جائے گا کہ کیا ان میں سے تجھے کسی کا انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے اور لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے پروردگار! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان

---

[1] ۲۱/ الانبیاء: ۴۷۔ [2] جامع ترمذی، کتاب التفسیر: ۳۱۶۵۔

کے متعلق تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ عرض کرے گا اے پروردگار! میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے ہاں! ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یہ فرما کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا اس میں لکھا ہوگا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' پھر اس بندے سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو، وہ عرض کرے گا اے پروردگار! ان دفاتر کے سامنے اس پرزہ کی کیا حیثیت ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس کے بعد ننانوے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا وہ ننانوے دفتر ہلکے ثابت ہوں گے اور پرزے والا پلڑا بھاری رہے گا اللہ کے نام کے مقابلے میں کیا چیز بھاری ہوسکتی ہے۔'' [1]

یہ معاملہ اس شخص کا ہوگا جو مدت دراز تک گناہ پر گناہ کرتا رہا اور مسلسل گناہوں کی وجہ سے دفتر پر دفتر لکھے جاتے رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسے توفیق دی اور اس نے دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور اس کلمہ ایمان کے ذریعے اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کرلیا اور اس پر اسے موت آگئی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ پیلو کی مسواک توڑ رہے تھے کہ ان کی باریک باریک پنڈلیاں ننگی ہوگئیں جنہیں دیکھ کر لوگ ہنسنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنس رہے ہو، اللہ کی قسم! قیامت کے دن یہ پنڈلیاں ترازو میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔'' [2] نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بھاری بھرکم شخص کو لایا جائے گا اس کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر نہیں ہوگا، پھر آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت کو تلاوت فرمایا:

''ہم ان کافروں کے لیے قیامت کے دن کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔'' [3]

---

[1] مسند احمد، ص: ۲۱۳، ج ۲۔ [2] مسند امام احمد، ص: ۴۲۱ ج ۱۔

[3] صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ۴۷۲۹۔

اعمال کے وزن کرنے کا وقت بڑا سخت اور سنگین ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ انہیں دوزخ کا خیال آیا تو رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تمہیں کس وجہ سے رونا آیا ہے؟'' عرض کیا کہ مجھے جہنم کی آگ یاد آئی تو بے ساختہ آنکھوں میں آنسو آگئے پھر عرض کیا کہ قیامت کے دن آپ ہمیں یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین جگہیں ایسی ہیں کہ قیامت کے دن کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا اسے اپنی پڑی ہوگی، ایک وزن اعمال کے وقت جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری، دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مومن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا وہ لوگوں سے کہے گا آؤ پڑھو! میرا اعمال نامہ، یا اسے اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا، تیسرے پل صراط سے گزرتے وقت بھی لوگوں کا پتہ پانی ہورہا ہوگا۔'' [1]

ہمیں چاہیے کہ دنیا میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کریں جن سے ہمارا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو، تا کہ قیامت کے دن ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہ سکیں۔

---

[1] مستدرك حاكم، ص: ٥٧٨ ج ٤۔

پل صراط

آخرت کے سلسلہ میں جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں ایک پل صراط بھی ہے۔ اس سے گزرتے وقت ہر انسان اپنی سلامتی کی دعا کرے گا چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اہل ایمان کا امتیازی وظیفہ یہ دعائیہ کلمہ ہوگا: اے میرے پروردگار! ہمیں سلامت رکھ اور سلامتی کے ساتھ اسے عبور کرنے کی توفیق دے۔'' [1]

پل صراط ان تین مقامات میں سے ہے جہاں رسول اللہ ﷺ بطور خاص اللہ کے حضور گریہ وزاری کریں گے اور اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جب تمہیں میری تلاش ہو تو پہلے پل صراط پر مجھے دیکھنا۔'' میں نے عرض کیا اگر میں وہاں آپ کو نہ پا سکوں تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا: ''پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا۔'' میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو میزان کے پاس بھی نہ پا سکوں تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے حوض کوثر کے پاس دیکھنا کیونکہ میں اس وقت ان تین مقامات سے دور کہیں نہیں جاؤں گا۔'' [2]

لیکن ہمارے ہاں دین کے مقابلہ میں ہر چیز کی نقل موجود ہے، پاکپتن میں ایک بہشتی دروازہ ہے جس پر ایک غلط عربی عبارت کندہ ہے اسی طرح جنوبی پنجاب میں ایک قدیم شہر اُچ ہے وہاں بھی ''بہشتی دری'' موجود ہے اس تک پہنچنے کے لیے ایک باریک کناروں والی دیوار بنائی گئی ہے جسے وہ پل صراط کے نام سے تعبیر کرتے ہیں وہاں سے لوگ گزرتے ہیں، گزرنے والے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے پل صراط عبور کر لیا ہے۔ "العیاذ باللہ"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حقیقی پل صراط کا ذکر بایں الفاظ فرمایا ہے:

---

[1] سنن ترمذی، صفة القيامة: ٢٤٣٢۔

[2] جامع ترمذی، صفة القيامة: ٢٤٣٣۔

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ [1]

''تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہوگا، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے۔''

اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے اوپر ایک پل رکھا جائے گا جس پر سے مومن وکافر کو گزرنا ہوگا۔ مومن تو اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گزر جائیں گے کچھ تو پلک جھپکنے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح، کچھ عمدہ گھوڑوں کی طرح اور کچھ دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے، یوں کچھ تو بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم اسے عبور کر لیں گے۔ کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں بعد میں مختلف سفارشات کے ذریعے نکال لیا جائے گا لیکن کافر و نافرمان لوگ اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے، اس کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پل صراط کے متعلق مستقل ایک عنوان قائم کیا ہے اسے ثابت کرنے کے لیے ایک طویل حدیث بیان کی ہے ہم پل صراط سے متعلقہ حصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

پھر پل صراط جہنم کے اوپر رکھ دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے ہمراہ سب سے پہلے اسے عبور کرنے والا ہوں گا اس دن انبیا علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا بات نہیں کرے گا۔ حضرات انبیا بھی صرف یہ کہیں گے اے اللہ! ہمیں محفوظ رکھ، اے پروردگار! ہمیں سلامتی عطا فرما، جہنم کے دائیں بائیں لوہے کے آنکڑے ہوں گے جو سعدان کے کانٹوں کے مانند ہوں گے جن سے متعلق تمہیں علم ہے البتہ وہاں کے آنکڑوں کے طول و عرض کو اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا یہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اپنی طرف کھینچ لیں گے بہت لوگ وہاں ہلاک ہو جائیں گے اور بہت سے وہاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر ان کی نجات ہوگی۔'' [2]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بال سے

---

[1] ١٩/ مریم: ٧١۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٧٣۔

زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ ❶

جب اہل ایمان وہاں سے صحیح وسلامت گزر جائیں گے تو انہیں اس پل کے پار پھر روک لیا جائے گا، تا کہ باہمی قصاص کا معاملہ طے کیا جائے گا، چنانچہ حدیث میں ہے:

''ایمان دار لوگ جہنم سے پار ہو کر پھر ایک پل پر روک لیے جائیں گے جو دوزخ اور جنت کے درمیان ہوگا، اب ان میں آپس کے جو حقوق ایک دوسرے پر رہ گئے تھے ان کا تصفیہ کیا جائے گا مظلوم کو ظالم سے بدلہ ملے گا، جب پاک وصاف ہو جائیں گے تو اس وقت انہیں جنت میں جانے کی اجازت ملے گی۔'' ❷

اس لیے ہمیں چاہیے کہ عبادات کی بجا آوری کرتے وقت حقوق العباد کا خاص خیال رکھیں، قیامت کے دن ان کی معافی نہیں ہوگی۔ قصاص کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہولناک مقامات پر ثابت قدم رکھے اور خیر وسلامتی کے ساتھ ہمیں جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ٤٥٥۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٣٥۔

جنت وجہنم پر ایمان

اصول ایمان میں سے پانچواں اصل یوم آخرت پر ایمان لانا ہے۔ آخرت پر ایمان لانے میں متعدد امور شامل ہیں۔ جنہیں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت اور جہنم بھی ہے۔ یہ دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانہ ہیں، قرآن وحدیث میں جنت اور اس کی نعمتوں، جہنم اور اس کی نقمتوں کا ذکر اتنی کثرت سے آیا ہے کہ اگر انہیں یکجا کر دیا جائے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ ان دونوں کے متعلق جو کچھ قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے اس کی پوری حقیقت تو وہاں پہنچ کر ان کے مشاہدہ کے بعد ہی معلوم ہو گی۔ البتہ انہیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں جنت اور اس کی بہاروں کے حصول کا شوق پیدا ہو، تاکہ وہ ایسے اعمال اختیار کریں جو جنت میں پہنچانے والے ہوں اور وہاں کی نعمتوں کا حق دار بنانے والے ہوں، نیز جہنم اور اس کی بلاؤں کا خوف پیدا ہو، تاکہ وہ ایسی برائیوں سے اجتناب کریں جو جہنم میں لے جانے والی ہیں۔

جنت ودوزخ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے:

1. جنت اور جہنم کوئی خیالی چیز نہیں ہیں بلکہ ان کا ایک مستقل وجود ہے۔
2. اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات سے قبل انہیں پیدا فرمایا۔
3. یہ دونوں ہمیشہ باقی رہیں گی اور انہیں کسی وقت بھی فنا سے دوچار نہیں کیا جائے گا۔
4. اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے مابین باہمی گفتگو کا رابطہ ممکن ہو گا۔
5. ان دونوں کے درمیان اعراف نامی ایک جگہ ہے جہاں عارضی طور پر کچھ لوگوں کو ٹھہرایا جائے گا۔
6. یہ دونوں اللہ کی پیدا کردہ ہیں تاکہ اہل ایمان کے لیے مقام ثواب اور اہل طغیان کے لیے مقام سزا ہوں۔
7. کبائر کے مرتکب حضرات کو بالآخر مختلف سفارشات کے ذریعہ جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

8 اللہ کی بے شمار مخلوق کے جنت میں داخلہ کے بعد بھی جنت کے بعض گوشے خالی رہیں گے جنہیں بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ وہیں موقع پر کوئی مخلوق پیدا فرمائیں گے۔

9 ہزار میں سے ایک جنت میں اور ۹۹۹ جہنم میں جانے کے باوجود جہنم "ھل من مزید" کی صدا بلند کرے گی۔

10 بالآخر اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھیں گے جس کے بعد وہ بس، بس پکارنے لگے گی۔

مختصر طور پر یہ دس اصول جنت اور جہنم پر ایمان لانے کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے:

جنت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ 1

"جنت پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ﴾ 2

"جنت ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں۔"

اسی طرح جہنم کے متعلق فرمایا:

﴿ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴾ 3

"جہنم کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴾ 4

"جہنم گھات میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانہ وہی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوا کو درخت کا پھل کھانے سے پہلے جنت میں ٹھہرایا تھا اور یہ بھی بتایا ہے کہ کافر صبح و شام جہنم میں پیش کیے جاتے ہیں۔

---

1 ۳/ آل عمران: ۱۳۳۔ 2 ۵۷/ الحدید: ۲۱۔

3 ۳/ آل عمران: ۱۳۱۔ 4 ۷۸/ النبا: ۲۱، ۲۲۔

حدیث میں ہے: ''جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ جنت یا جہنم پیش کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ تیرا اصل ٹھکانہ یہی ہے۔'' ❶

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کے موقع پر میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر فقرا و مساکین کو پایا اور جب جہنم میں جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا۔'' ❷

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت و جہنم دونوں موجود ہیں اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے، جب چاہیں گے انہیں باقی رکھیں گے اور وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

اہل جنت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ❸

''وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿ وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴾ ❹

''انہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔''

اہل جہنم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ ❺

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے ایسے لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴾ ❻

''یہ لوگ جہنم سے نہیں نکل پائیں گے۔''

---

❶ صحیح بخاری، بدء الخلق: ۳۲۴۰۔ ❷ صحیح بخاری، بدء الخلق: ۳۲۴۱۔

❸ ۹/ التوبة: ۱۰۰۔ ❹ ۱۵/ الحجر: ۴۸۔

❺ ۷۲/ الجن: ۲۳۔ ❻ ۲/ البقرة: ۱۶۷۔

حدیث میں ہے: ''جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت موت کو لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک منادی کرنے والا فرشتہ منادی کرے گا: اے اہل جنت! اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اے اہل جہنم! تمہیں بھی کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس وقت اہل جنت میں خوشی کی لہر دوڑ جائے گی اور اہل جہنم پر غموں کے بادل چھا جائیں گے۔'' [1]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جنت اور جہنم کے متعلق دو عنوان بایں الفاظ قائم کیے ہیں:

1. جنت کے اوصاف اور اس بات کی وضاحت کہ وہ پیدا ہو چکی ہے۔
2. جہنم کی صفات اور اس کی صراحت کہ اسے پیدا کر دیا گیا ہے۔

پھر متعدد احادیث ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ اللہ کی مخلوق ہیں اور انہیں پیدا کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق سے متعلقہ احادیث مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جنت اور جہنم کے احوال بیان کرنے سے قبل قیامت کے دن سفارش کے متعلق ہم اپنے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں اس کے متعلق بہت غلط قسم کے نظریات رواج پا چکے ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر سفارش کا اثبات فرمایا ہے اور اس کے ساتھ بھاری قیود بھی بیان کی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اس کا مالک ہے کسی دوسرے کو اس میں ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [2]

''کہہ دیجیے! سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

سفارش کرنے والے اللہ کے ہاں اذن کے محتاج ہوں گے، فرمایا:

[1] صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٤٨۔ [2] ٣٩/ الزمر: ٤٤۔

﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ﴾ ❶

"کوئی بھی اس کا اذن حاصل کیے بغیر وہاں سفارش نہیں کر سکتا۔"

نیز فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ❷

"کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر وہاں سفارش کر سکے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو وہاں سفارش کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت صرف اپنے ممتاز، من پسند بندوں کو ہی عنایت فرمائے گا اور سفارشی کلمات بھی خود الہام کرے گا۔ پھر یہ سفارش ان لوگوں کے لیے ہوگی جن پر اللہ راضی ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ ❸

"وہ سفارش کرنے والے صرف اس شخص کے متعلق سفارش کریں گے جس سے اللہ خوش ہوگا۔"

اور اللہ تعالیٰ صرف اہل توحید اور اہل اخلاص سے ہی راضی ہوگا۔ باقی رہے ظالم، دین سے بے زاران کے متعلق فرمایا:

﴿مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾ ❹

"اہل ظلم کا وہاں کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔"

نیز وہ خود اقرار کریں گے:

﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ﴾ ❺

"آج کوئی ہماری سفارش کرنے والا نہیں۔"

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سفارش کا موقع دیا جائے گا، آپ

---

❶ ۱۰/ یونس: ۳۔ ❷ ۲/ البقرۃ: ۲۵۵۔ ❸ ۲۱/ انبیاء: ۲۸۔

❹ ۴۰/ غافر: ۱۸۔ ❺ ۲۶/ الشعراء: ۱۰۰۔

اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، عرش کے نیچے سجدہ کریں گے، اپنے رب کے لیے تعریفی کلمات سے انہیں آگاہ کیا جائے گا اس کے بعد انہیں سفارش کی اجازت دی جائے گی اور کہا جائے گا اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، سوال کرو تمہیں دیا جائے گا، سفارش کرو وہ قبول کی جائے گی۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کون سب سے بڑا خوش نصیب ہوگا جو آپ کی سفارش کا حق دار ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص سچے دل سے لا الہ الا اللہ پڑھنے والا ہوگا۔'' [2]

پھر سفارش کی متعدد اقسام ہیں سب سے بڑی، شفاعت عظمیٰ ہے، یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہوگی۔ اللہ سے اپنے بندوں کے متعلق فیصلہ کرنے کے متعلق کہا جائے گا، لوگ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس آئیں گے کسی کو اللہ کے حضور سفارش کرنے کی ہمت نہ ہوگی، آخر سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور سفارش کے متعلق عرض کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور بندوں کے حساب کے متعلق سفارش کریں گے، مفصل حدیث، کتب حدیث میں موجود ہے، دوسری سفارش جنت میں بغیر حساب جنت میں جانے سے متعلق ہوگی ستر ہزار آدمی بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے، ہم اس کی تفصیل آئندہ بیان کریں گے۔

تیسری سفارش دخول جنت کے متعلق ہوگی اور آپ کی سفارش سے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور جنت میں داخلے کی اجازت ملے گی، چوتھی سفارش ایسے لوگوں کے متعلق ہوگی جن کے متعلق جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا آپ کی سفارش سے انہیں جہنم میں داخل ہونے سے بچا لیا جائے گا۔

پانچویں سفارش ان لوگوں کے لیے ہوگی جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے پھر حسب مراتب انہیں جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ چھٹی سفارش اہل جنت کے درجات بلند

---

[1] صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٦٥۔

[2] صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٧٠۔

کرنے کے لیے ہوگی۔

ساتویں سفارش بعض کافروں کے عذاب میں تخفیف کے لیے ہوگی جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کے متعلق احادیث میں آیا ہے، آٹھویں سفارش ایسے لوگوں کے متعلق ہو گی جن کی نیکیاں برائیاں برابر ہوں گی رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے انہیں جنت میں داخلہ دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ سفارش کی پانچویں قسم جو اہل کبائر کے متعلق ہوگی اس میں فرشتے اور اہل ایمان بھی شریک ہوں گے، پھر آخر میں رب العالمین اپنے فضل وکرم سے بے شمار لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے، اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

اس مقام پر ایک باطل عقیدے کی تردید کرنا ضروری ہے بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بزرگان دین اور اولیائے کرام چونکہ اللہ کے ہاں بلند مرتبہ رکھتے ہیں لہٰذا ان کی سفارش سے وہاں نجات ہو جائے گی۔ یا ان کا وسیلہ پکڑنے سے ہم سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے، کیا نیک بندوں کے دامن سے وابستگی جنت میں داخلے کے لیے کافی ہوگی؟ اس کا جواب قرآن میں تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگ انفرادی حیثیت سے اللہ کے حضور پیش ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴾ [1]

''اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ تنہا پیدا کیا تھا جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ تمہارا کام بنانے میں ان کا کچھ حصہ ہے تمہارے آپس میں تمام رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے ہیں جن کے متعلق کام آنے کا تم تصور رکھتے تھے۔''

[1] ٦/ الانعام: ٩٤۔

اس آیت کریمہ میں تین چیزیں وضاحت سے بیان ہوئی ہیں:

1. قیامت کے دن تمام لوگ حساب دینے کے لیے اکیلے اکیلے اللہ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔
2. قیامت کے دن بزرگوں کے عقیدت مندوں کو بتا دیا جائے گا کہ دیکھ لو آج وہ تمہیں کہیں نظر نہیں آ رہے۔
3. عقیدت مندان سے رابطہ کرنا چاہیں گے لیکن خواہش کے باوجود ان سے رابطہ ممکن نہیں ہوگا۔

خود رسول اللہ ﷺ اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے نصیحت فرماتے ہیں: ''اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اللہ کے مقابلے میں میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔''[1]

مختصر یہ ہے کہ اولیائے کرام اور بزرگان دین کے دامن سے وابستہ ہو کر جنت میں پہنچ جانے کا عقیدہ سراسر باطل ہے، جو شخص جنت کا طالب ہے اسے خالص عقیدہ توحید اور نیک اعمال درکار ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾[2]

''جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کے ساتھ اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔''

نیز واضح رہے کہ اعمال دخول جنت کے لیے ایک سبب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جنت میں جانے کے لیے عوض یا قیمت نہیں ہیں۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''میانہ روی اختیار کرو، درستی کے ساتھ عمل جاری رکھو اور جان لو کہ تم میں

---

[1] صحیح مسلم، الایمان: ۳۴۸۔

[2] ۱۸/ الکھف: ۱۱۰۔

سے کوئی اپنے عمل کے ذریعے نجات نہیں پائے گا۔" لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: "میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے ڈھانپ لے۔" [1]

[1] صحیح مسلم، صفات المنافقین: ۲۸۱٦۔

احوال جنت

قبل ازیں ہم نے جنت اور دوزخ کے متعلق ایسے دس اصول بیان کیے تھے جوان پر ایمان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب ہم جنت کی بہاروں اور دوزخ کی ہولناکیوں کو ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں، تاکہ حصول جنت کے لیے ایسے اعمال اختیار کیے جائیں جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں اور دوزخ سے بچنے کے لیے ایسے کاموں سے اجتناب کریں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں، قرآن وحدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان کے لیے تیار کردہ جنت اس قدر وسیع وعریض ہوگی کہ ہمارے اس کرہ ارض کی وسعت اس مقابلے میں بالکل معمولی ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے سب سے آخر میں داخل ہونے والے جنتی کے متعلق فرمایا: ''جب اسے اللہ کی طرف سے جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی تو وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! اب تو جنت بھر چکی ہے، اس میں میرے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اگر تجھے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کی مملکت کے برابر جگہ مل جائے تو تو خوش ہو جائے گا؟ بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں! اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے جاؤ، جنت میں تمہارے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی بادشاہت کے برابر بلکہ تمام دنیا کے برابر اور اس سے دس گنا مزید جگہ ہے۔'' [1]

جنت میں داخل ہونے والے اس آخری آدمی کو اتنی جگہ دینے کے باوجود اللہ کی جنت میں اتنی جگہ بچ جائے گی کہ اسے پُر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس وقت موقع پر دوسری مخلوق پیدا فرمائیں گے۔ [2]

واضح رہے کہ بعض روایات میں جہنم کو بھرنے کے لیے دوسری مخلوق کو پیدا کرنے کا ذکر بھی ہے۔ [3]

لیکن یہ کسی راوی سے سہواً ایسا ہو گیا ہے، جہنم کو بھرنے کے لیے کسی دوسری مخلوق کو پیدا نہیں کیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھیں گے تو وہ ''بس بس'' پکارنے لگے گی

---

[1] صحیح بخاري، الرقاق: ٦٥٧١۔ [2] صحیح بخاري، التفسیر: ٤٨٥٠۔

[3] صحیح بخاري، التوحید: ٧٤٤٩۔

جیسا کہ دیگر روایات میں اس کی صراحت ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے جنت کے درجات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کے سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کیے ہیں اور ہر دو درجات کے درمیان زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے۔'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ بہترین اور اعلیٰ درجہ کی جنت ہے اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے اور اسی جنت سے نہریں پھوٹتی ہیں۔'' [2]

جنت کی وسعت و پہنائی کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴾ [3]

''جنت میں تم جدھر بھی نظر ڈالو گے وہاں تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بڑی سلطنت کا سامان نظر آئے گا۔''

جنت کے سایہ دار درختوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہاں ایک درخت کا سایہ اتنا طویل ہوگا کہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار آدمی سو سال تک اس کے سایہ میں سفر کرے گا تب بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا۔'' [4]

پھر آپ نے بطور استشہاد سورۂ واقعہ کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں ہے کہ وہاں لمبے لمبے سایہ دار درخت ہوں گے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنت کی وسعت کا تصور کرنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے ان کی تعریف سنی اور نہ ہی ان کا تصور کسی آدمی کے دل میں پیدا ہوا ہے پھر سورۂ سجدہ کی اس آیت کو تلاوت فرمایا: ''کوئی نہیں جانتا ان نعمتوں کو جو اہل ایمان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی ہیں اور ان سے چھپا کر رکھی گئی ہیں۔'' [5]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو جنت تیار کی ہے اس میں ہر قسم کی عیش

[1] صحیح بخاری، التفسیر: ٤٨٤٨۔ [2] صحیح بخاری، التوحید: ٧٤٢٣۔

[3] ٧٦/ الدهر: ٢٠۔ [4] صحیح بخاری، التفسیر: ٤٨٨١۔

[5] صحیح بخاری، بدء الخلق: ٣٢٤٤۔

وعشرت کا سامان ہوگا، جنت کی مہک اور خوشبو کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی۔'' ❶

سرزمین جنت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں چھڑی رکھنے کے برابر جگہ دنیا اور اس میں موجود تمام نعمتوں سے افضل ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک چھڑی کے برابر جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔'' ❷

جنت میں کمان رکھنے کی قیمت بایں الفاظ بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر چیز سے بہتر ہوگی جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے اس سے مراد دنیا و مافیہا ہے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے جنت کے متعلق یہاں تک فرمایا: ''جنت کی چیزوں میں سے اگر ناخن کے برابر بھی کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو زمین و آسمان کے کناروں کے درمیان جو کچھ ہے اسے چمکا دے۔'' ❹

جنت کے آٹھ دروازے ہیں ہر ایک دروازے کی وسعت اس قدر ہوگی کہ ستر ہزار آدمی بیک وقت ایک دروازے سے جنت میں داخل ہو سکیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت سے ستر ہزار افراد اس طرح جنت میں داخل ہوں گے کہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں گے، اُن میں سے کوئی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک آخری آدمی جنت میں داخل نہ ہو جائے تب تمام افراد بیک وقت جنت میں داخل ہوں گے۔'' ❺

جنت کے ایک دروازے کے دو کواڑ ہوں گے ایک کواڑ سے دوسرے کواڑ کا درمیانی فاصلہ اتنا ہوگا جتنا مکہ اور ہجر یا مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے۔ ❻

واضح رہے کہ مکہ اور ہجر کا درمیانی فاصلہ ۱۱۶۰ کلومیٹر اور مکہ اور بصریٰ کا درمیانی فاصلہ 1250 کلومیٹر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے ایک دروازے کی چوڑائی تقریباً بارہ تیرہ

❶ صحیح بخاری، الجهاد: ٣١٦٦۔
❷ صحیح بخاری، بدء الخلق: ٣٢٥٠۔
❸ صحیح بخاری، بدء الخلق: ٣٢٥٣۔
❹ جامع ترمذی، صفة الجنة: ٢٥٣٨۔
❺ صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٤٣۔
❻ صحیح مسلم، الایمان: ٣٢٧۔

سو کلومیٹر ہو گی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جنت کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک اینٹ سونے کی ہے، اس کا سیمنٹ تیز خوشبو والا اعنبر، اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں، اس کی مٹی کی جگہ زعفران بچھی ہو گی۔'' [1]

بعض روایات میں ہے کہ مٹی کے بجائے کستوری اور گھاس کی بجائے زعفران ہو گا۔

جنت کے پر شکوہ محلات اور بلند و بالا مکانات، خوبرو اور گداز جسم حوریں، گلبدن غلمان و خدام، سدا بہار پھلدار درخت، قدرتی آبشاریں، بہتے ہوئے چشمے، دودھ، شہد، صاف و شفاف پانی اور شراب طہور کی نہریں، مأکولات و مشروبات، ملبوسات و زیورات، مسندیں اور گاؤ تکیے، تمام نعمتوں سے بڑھ کر زیادہ اللہ کی رضا اور اس کا دیدار آخر کن لوگوں کے لیے ہے ان کے اوصاف کیا ہیں؟ اگرچہ جنت ناگوار چیزوں سے گھیری گئی ہے اور جہنم کے گرد خوشگوار چیزوں کی باڑ ہے، اللہ کی جنت لینے کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ڈرا وہ بھاگا اور جو بھاگا اس نے منزل کو پالیا، یقیناً اللہ کا سودا بہت مہنگا اور قیمتی ہے اور اللہ کا سودا تو جنت ہے۔'' اس کے علاوہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''نعمتوں بھری جنت حاصل کرنے والا شخص دنیا میں کبھی آرام اور چین کی نیند نہیں سوتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کی بایں الفاظ نشان دہی فرمائی:

''ہر ناتواں، لوگوں کے نزدیک کمزور، اللہ کے نزدیک اتنا برگزیدہ ہے اگر کسی معاملہ میں اللہ کی قسم اٹھالے تو اللہ اسے سچا کر دے۔'' [2]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر وہ شخص جو نرم دل، شریف النفس، منکسر المزاج، اور ہر دلعزیز ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔'' (مسند امام احمد)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں ایسے محلات بھی ہیں کہ جن کے اندر کھڑے ہوں تو باہر کی چیز

[1] جامع ترمذی، صفة الجنة: ۲۵۲۶۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الجنة: ۲۸۵۳۔

نظر آتی ہے اور باہر کھڑے ہوں تو اندر کی چیز نظر آتی ہے۔'' ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے محلات کن لوگوں کے لیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اچھی بات کرے، لوگوں کو کھانا کھلائے، بکثرت روزے رکھے اور جب لوگ مزے کی نیند کر رہے ہوں تو اٹھ کر نماز پڑھے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: ''جنت میں جانے والے تین قسم کے لوگ ہوں گے پہلا وہ حاکم جو انصاف کرنے والا، سچ بولنے والا اور اچھے کاموں کی توفیق دیا گیا، دوسرا وہ جو ہر قرابت دار اور ہر مسلمان کے لیے مہربان اور نرم دل ہے، تیسرا وہ جو پاک دامن ہے اور عیال داری کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا۔'' ❷

خواتین کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت پانچ نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے اسے کہا جائے گا کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہو داخل ہو جاؤ۔'' ❸

مساجد کی تعمیر کرنے والا، زبان کی حفاظت کرنے والا اور اپنی شرمگاہ کی نگہداشت کرنے والا بھی جنتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان اوصاف کے حامل انسان کے لیے خود جنتی ہونے کی گارنٹی دی ہے۔ ❹

قارئین کرام! اپنے اندر مذکورہ اوصاف کو پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔

---

❶ جامع ترمذی، ابواب الجنة: ۲۵۲۷۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الجنة: ۲۸۶۵۔

❸ صحیح ابن حبان، ص: ۱۸۴ ج۱۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ٦٤٧٤۔

جہنم کے احوال

اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور باغیوں کے لیے جو جہنم تیار کی ہے وہ انتہائی ہولناک اور اعصاب شکن ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو اس سے پناہ مانگنے کی دعائیں اس طرح تلقین کرتے تھے جیسے قرآنی آیات ہوں، آپ ﷺ بکثرت درج ذیل دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ))

''اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' [1]

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہنم کا تعارف بایں الفاظ کرایا:

﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ۝﴾ [2]

''بائیں جانب والے! افسوس کہ بائیں جانب والے کس قدر بدنصیب ہیں یہ لوگ آگ میں، کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھویں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی مَا کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ ۝ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ کَالْقَصْرِ ۝ کَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝﴾ [3]

''تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے یعنی اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں وہ سایہ نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ گرمی سے بچائے گا، وہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الدعوات۔ [2] ٥٦/ الواقعة: ٤١، ٤٤۔

[3] ٧٧/ المرسلات: ٢٩، ٣٣۔

ایسے انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محلات گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَاۤ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ ﴾ [1]

''بے شک دوزخ گھات میں ہے کہ وہ سرکشوں کا ٹھکانہ ہے، جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے وہاں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزا نہیں چکھیں گے، گرم پانی اور پیپ کے علاوہ انہیں کچھ پینے کے لیے نہیں ملے گا اور یہ ان کے اعمال وکردار کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔''

اہل جہنم کا کھانا بدبودار، کڑوا، تھوہر کا درخت ہوگا، یہ کھانے کے بعد انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ [2]

''یہ ضیافت اچھی ہے یا تھوہر کا درخت، ہم نے اس درخت کو ظلم پیشہ لوگوں کے لیے فتنہ کا باعث بنا دیا ہے۔ زقوم وہ درخت ہے جو جہنم کی تہ میں اگتا ہے، اس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے سانپوں کے سر، اہل جہنم یہی کھائیں گے اور اسی سے اپنا پیٹ بھریں گے، کھانے کے بعد پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا، اس کے بعد ان کی واپسی اسی جہنم کی آگ کی طرف ہوگی۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

[1] ۷۸/ النبا: ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶۔ [2] ۳۷/ الصافات: ۶۲، ۶۷۔

﴿ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۙ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۚ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۙ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴾ ❶

''زقوم کا درخت گناہگاروں کا کھانا ہوگا وہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا پیٹ میں اس طرح جوش مارے گا جیسے گرم پانی کھولتا ہے۔''

حدیث میں ہے: ''اگر تھوہر کا ایک قطرہ دنیا میں گرا دیا جائے تو ساری دنیا کے جانداروں کے خورد ونوش کی چیزیں تباہ ہو جائیں پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی تھوہر ہو۔'' ❷

قرآن کریم کی تصریح کے مطابق جب مجرمین کو پابند سلاسل کر کے جہنم کی طرف لایا جائے گا تو وہ انتہائی بھوکے اور پیاسے ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴾ ❸

''ہم مجرمین کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔''

﴿ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴾ ❹

''اور اہل جہنم بار بار اہل جنت سے اپیل کریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔ انہیں جواب ملے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں کافروں پر حرام کر رکھی ہیں۔''

﴿ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾ ❺

''ہاں اہل جہنم کے بار بار فریاد کرنے پر ان کی فریاد رسی بایں طور کی جائے گی کہ انہیں ایسا پانی مہیا کیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور چہروں کو جھلسا دے گا۔''

---

❶ ٤٤/ الدخان: ٤٣ تا ٤٦۔ ❷ ترمذی، صفة جهنم: ٢٥٨٨۔

❸ ١٩/ مریم: ٨٦۔ ❹ ٧/ الاعراف: ٥٠۔ ❺ ١٨/ الكهف: ٢٩۔

اس کی کیفیت کچھ اس طرح کی ہوگی کہ انتہائی کھولتا ہوا ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ۝ ﴾ 1

''اہل جہنم، جہنم اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے۔''

﴿ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ ﴾ 2

اس کی تاثیر یہ ہوگی کہ انہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

مزید فرمایا:

﴿ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۝ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۝ ﴾ 3

''ان کے سروں کے اوپر سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور جسم کی، گلا دی جائیں گی۔''

حدیث میں ہے: ''اہل جہنم کا مشروب تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جب وہ اسے پینے کے لیے اپنے منہ کے پاس لے جائے گا تو اس کے منہ کا گوشت جل بھن کر گر پڑے گا۔'' 4

حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے: ''کھولتا ہوا پانی کافروں کے سروں پر ڈالا جائے گا جو سر کو چھید کر پیٹ تک پہنچے گا اور پیٹ میں جو کچھ ہوگا اسے کاٹ ڈالے گا اور وہ سب کچھ اس کی پیٹھ سے نکل کر قدموں میں جا گرے گا، اس سزا کے بعد اسے پھر پہلی حالت پر لوٹا دیا جائے گا۔'' 5

اسی مقام پر یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ ہماری دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں ستر درجے ٹھنڈی ہے، یعنی جہنم کی آگ کو ستر مرتبہ پانی سے دھو کر ہمارے استعمال کے قابل بنایا گیا ہے اور جہنم کی آگ کا رنگ بھی سیاہ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کیا تم جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کی طرح سمجھتے ہو ہرگز نہیں جہنم کی آگ تو تارکول سے

---

1 ٥٥/ الرحمٰن: ٤٤۔ 2 ٤٧/ محمد: ١٥۔ 3 ٢٢/ الحج: ١٩ تا ٢٠۔

4 مستدرك حاكم، ص: ٦٤٧، ج ٤۔ 5 ترمذی، صفة جهنم: ٢٥٨٥۔

بھی زیادہ سیاہ ہے۔ [1]

جب بھی جہنم کی آگ دھیمی ہونے لگے گی فرشتے اسے اور بھڑکا دیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ﴾ [2]

''جب کبھی جہنم کی آگ نرم ہوگی ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔''

اس آگ میں جب ایک غوطہ دیا جائے گا تو دنیا میں عیش وعشرت کے ایام سب بھول جائیں گے، حدیث میں ہے: ''قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کے متعلق جہنم میں جانے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، اس نے دنیا میں بہت عیش وعشرت کے دن گزارے ہوں گے اسے دوزخ میں صرف ایک غوطہ دیا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے دنیا میں کوئی نعمت دیکھی، کبھی دنیا میں تیرا ناز ونعمت سے واسطہ پڑا، وہ کہے گا اے میرے رب تیری قسم! میں نے کبھی کوئی ناز ونعمت نہیں دیکھی یعنی جہنم میں ایک غوطہ کھانے سے دنیا کی تمام آرام پرستی بھول جائے گی۔'' [3]

جہنم میں دو طبقے ہیں ایک طبقہ گرم عذاب کا ہے اور دوسرا سخت ٹھنڈک کا، ہمارے ہاں دسمبر اور جنوری میں سردی نا قابل برداشت ہوتی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم گرم کپڑے اور گرم خوراک استعمال کرتے ہیں حالانکہ دنیا کی سردی جہنم کی اندرونی سانس سے پیدا ہوتی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محض جہنم کے اندرونی سانس سے پیدا ہونے والی سردی اگر انسان کے لیے اس قدر نا قابل برداشت ہے تو جہنم میں طبقہ زمہریر (سخت ٹھنڈک) میں انسان کی کیفیت کیا ہوگی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ میں زندہ انسان کا جسم سردی کی شدت سے ریت کی طرح بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا اسے پھر نئے سرے سے جسم دیا جائے گا اور وہ دوبارہ ریزہ ریزہ ہوگا، جب تک وہ اس طبقہ میں رہے گا اسی قسم کے عذاب سے دوچار رہے گا چنانچہ حدیث میں ہے: ''جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ

---

[1] موطا امام مالك، كتاب الجامع۔ [2] ١٧/ الاسراء: ٩٧۔

[3] صحيح مسلم، صفات المنافقين: ٢٨٠٧۔

اے میرے رب! گرمی کی شدت کی وجہ سے میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے سال میں اسے دو سانس لینے کی اجازت دی ایک سانس سردیوں میں اندر کی طرف اور ایک سانس گرمیوں میں باہر کی طرف۔" پھر فرمایا: "تم لوگ جو شدید گرمی یا شدید سردی محسوس کرتے ہو وہ اسی وجہ سے ہے۔" [1]

قارئین کرام! اب ہمارا فرض ہے کہ جب بھی کسی مقام پر جہنم کا ذکر آئے ہم تڑپ جائیں، ہم پر کپکپی طاری ہو جانا چاہیے جیسا کہ صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب قرآن کریم میں آگ کا ذکر تلاوت فرماتیں تو زار و قطار رونے لگتیں۔ [2]

نیز ہمیں ایسے کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے جو جہنم میں جانے کا باعث ہیں، مثلاً: شرک کرنا، خلاف شریعت رسوم ادا کرنا، فساد پھیلانا، قطع رحمی کرنا، ناحق تہمت لگانا، بخیلی کرنا، غیر اللہ سے مدد لینا، سود کھانا، رشوت دینا، شراب پینا، جوا کھیلنا، قتل ناحق کرنا، پڑوسیوں کو بلا وجہ تنگ کرنا، احسان جتلانا، تکبر کرنا، جھوٹ بولنا، خودکشی کرنا، کسی کو دھوکہ دینا، حرام کھانا، نظر بازی اور بدکاری میں مبتلا ہونا وغیرہ۔

اس کے علاوہ ہمیں درج ذیل دعا بکثرت پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [3]

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے۔"

رسول اللہ ﷺ اس دعا کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم و کرم فرمائے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھے۔ (آمین)

---

[1] بخاری، بدء الخلق: ۳۲۶۰۔ [2] ابو داود، کتاب السنۃ: باب المیزان۔

[3] ۲/ البقرہ: ۲۰۱۔

تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان لانا بھی اصول دین سے ہے، اس بنیادی حقیقت پر یقین کے بغیر بندے کا ایمان ناقص رہتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس کے متعلق شکوک وشبہات اور تردد وتذبذب کا شکار ہیں، اس لیے ہم تقدیر پر ایمان اور اس کے اثرات کو بیان کرتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی ایجاد سے پہلے ہی انہیں معلوم کر لیا اور ان کا اندازہ کر کے انہیں لوح محفوظ میں لکھ دیا، سلف کے نزدیک تقدیر کی یہی تعریف ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ ﴾ [1]

''اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی تقدیر مقرر فرمائی۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کون ومکان کو پختہ اور محکم انداز میں خاص منصوبہ بندی کے تحت وجود بخشا ہے اور ان کے لیے ایسے قوانین جاری کیے ہیں جو ناقابل تغیر ہیں، ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ ﴾ [2]

''ہر چیز کا خزانہ ہمارے پاس ہے اور ہم ہی اسے ایک خاص مقدار میں نازل کرتے ہیں۔''

تقدیر پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے اور یقین کے ساتھ مانا جائے کہ اس عالم رنگ وبو میں جو کچھ ہو رہا ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے جسے وہ پہلے سے طے کر چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کچھ چاہے لیکن دنیا کا یہ کارخانہ اس کی مرضی کے خلاف چل رہا ہے۔ یا کائنات کا نظام کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے ایسا مان لینے سے اللہ تعالیٰ کی انتہائی عاجزی اور بے بسی لازم آئے گی۔ ''تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا۔''

تقدیر کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اس پر ایمان لانے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر اس کے متعلق کوئی بات سمجھ نہ آئے تو اس کے متعلق بحث اور کٹ حجتی نہ کی جائے

[1] ۲۵/ فرقان: ۲۔ [2] ۱۵/ الحجر: ۲۱۔

بلکہ عقل اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر یقین کر لیا جائے بلکہ اپنے دل ودماغ کو بایں طور پر مطمئن کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ نے اسی طرح بیان کیا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کے متعلق بحث وجدال کا دروازہ نہ کھولا جائے رسول اللہ ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، حدیث میں ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے قضا وقدر کے متعلق بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے تو آپ نے ہمیں اس حالت میں دیکھ کر انتہائی خفگی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا حتی کہ آپ کا چہرہ انور غصہ کی بنا پر سرخ ہو گیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے رخساروں میں انار کے سرخ دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں پھر آپ ﷺ گویا ہوئے: ''کیا تمہیں یہی حکم دیا گیا ہے، کیا میں تمہارے لیے یہی پیغام لے کر آیا ہوں؟ خبردار! تم سے پہلے قومیں اس بنا پر تباہ ہوئیں کہ انہوں نے تقدیر کے متعلق بحث وحجت کا طریقہ اپنا لیا تھا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کے متعلق ہرگز بحث وجدال نہ کیا کرو۔'' [1]

اس حدیث میں امتوں کی تباہی سے مراد ان کی گمراہی ہے کیونکہ ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لیے بکثرت استعمال ہوتا ہے، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت آئیں جب انہوں نے تقدیر کو بحث وجدال کا موضوع بنایا، تاریخ شاہد ہے کہ اس امت میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے، واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت صرف بحث وجدال سے کی گئی ہے اس کے برعکس اگر کوئی تقدیر پر ایمان ویقین رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلب کے لیے تقدیر کے کسی مسئلہ کے متعلق کسی اہل علم سے سوال کرتا ہے تو اس کی ممانعت نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کرنے پر تقدیر کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے ہمارا دین بیان فرمائیں گویا ہم اب پیدا ہوئے ہیں، آپ وضاحت فرمائیں کہ ہم جو عمل کرتے

[1] جامع ترمذی، ابواب القدر: ۲۱۳۳۔

ہیں وہ اس لیے ہے کہ قلم اسے لکھ کر خشک ہو گیا ہے اور اس کے متعلق تقدیر جاری کی گئی ہے یا اس مقصد کے لیے جو آگے ہونے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ اعمال اسی مقصد کے لیے ہیں جسے لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے اور تقدیر جاری ہو چکی ہے۔'' حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وضاحت سن کر عرض کیا ایسے حالات میں عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا: ''تم عمل کرتے رہو ہر انسان کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔'' [1]

تقدیر کے متعلق لوگوں کے تین گروہ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1 قدریہ

ان حضرات نے بندہ کے لیے قدرت اور اختیار ثابت کرنے کے لیے اس حد تک غلو کیا ہے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ یا مشیئت کارفرما نہیں ہے اور نہ ہی بندوں کے افعال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ ان میں سے ایک گروہ نے اپنے خبث باطن کا بایں طور اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال وکردار سے اس وقت تک بے خبر رہتا ہے جب تک وہ کام کر نہیں لیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قبل از وقت بندے کے کردار سے واقف نہیں ہوتا، نعوذ باللہ من ذالك۔ قدریہ کے نزدیک بندہ اپنے علم اور ارادے سے اپنے فعل کا خود خالق ہے اس لیے اسے اپنے برے افعال کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی، اس عقیدہ سے توحید باری تعالیٰ پر زد پڑتی ہے۔ اس گروہ کو ''مجوس هذه الامة'' کہا جاتا ہے یعنی یہ لوگ اس امت کے مجوسی ہیں، اس گروہ کے اصول وضوابط سب سے پہلے واصل بن عطاء نے مقرر کیے تھے، اس گروہ کا نام تو قدریہ ہے، لیکن یہ تقدیر کا منکر ہے۔

2 جبریہ

یہ گروہ قدریہ کی ضد ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اس سے صادر ہونے والے افعال واعمال میں اس کے اختیار وارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اس گروہ نے تقدیر کے اثبات میں انتہائی غلو سے کام لیا ہے اور بندہ کو اس درخت کی طرح قرار دیا ہے جو

[1] صحیح مسلم، القدر: ٦٧٣٥۔

آندھی کے وقت بے اختیار حرکت کرتا ہے، ان کے نزدیک انسان کے کسی فعل پر مواخذہ نہیں ہونا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، یہ عقیدہ لوگوں کو گناہ کی دعوت دیتا ہے، یہ لوگ فکر وعمل میں سب سے پیچھے اور بد عملی وبدکرداری میں میر کارواں ہیں، جہم بن صفوان اور شیبان خارجی کا تعلق بھی اسی گروہ سے تھا، حالانکہ عقل کے اعتبار سے انسان اپنے اختیاری اور غیر اختیاری افعال کو جانتا ہے لیکن ان کے نزدیک انسان کے تمام اعمال غیر اختیاری ہیں۔

یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں اور تقدیر کے منکر ہیں اور اپنے اپنے مسلک کی تائید کے لیے قرآنی آیات کی ایسی فاسد تاویلات کرتے ہیں جن کا ان آیات کے ظاہری یا باطنی معنی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

3 اہل حق

تیسرا اہل حق کا گروہ ہے، جنہوں نے افراط وتفریط سے بالاتر ہو کر اعتدال کی راہ اختیار کی ہے، ان کا موقف عقل ونقل پر قائم ہے ان کے نزدیک کائنات میں جو حوادث ہوتے ہیں اس کی دو اقسام ہیں:

(ا) ایک وہ حوادث ہیں جن میں بندوں کو کوئی اختیار نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ظاہر کرتا ہے مثلاً: بارش برسانا، کھیت اگانا، کسی کو پیدا کرنا اور اسے موت سے دوچار کرنا، صحت وبیماری کا آنا وغیرہ، اس قسم کے افعال میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی کسی انسانی مشیت وارادہ پر ان کے ظہور کا دارومدار ہے۔ یہ تمام افعال اللہ کی مشیت کاملہ اور حکمت بالغہ پر موقوف ہیں۔

(ب) دوسرے وہ افعال جو ایسی مخلوق سے سرزد ہوتے ہیں جو ارادہ اور اختیار رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے افعال کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۚ ﴾ [1]

”تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا۔“

اس آیت میں ارادہ کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۵۲۔

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ [1]

”آپ اعلان کر دیں کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔“

اس آیت میں مشیت کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔

اہل حق کے نزدیک ارادہ اور مشیت کی بھی دو اقسام ہیں:

(ا) ارادہ کونیہ

اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ وجود میں لانا چاہتا ہے لیکن انہیں وجود میں لانے کے لیے اللہ کی چاہت اور رضا کو تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ رات اور دن کا آنا، ہواؤں کا چلنا اور بارش کا برسنا وغیرہ۔

(ب) ارادہ شرعیہ

اس کا تعلق ان افعال سے ہے جن کا حکم اللہ اپنے بندوں کو دیتا ہے اور ان کی بجا آوری کو پسند کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ وہ ارادہ جس کا تعلق اللہ کی رضا سے ہے وہی بندوں کے نیک اعمال سے متعلق ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے ایسے کام کرے جن کی بجا آوری کا اس نے بندے کو حکم دیا ہے اور ایسے کاموں سے پرہیز کرے جن کے ارتکاب پر اس نے پابندی لگائی ہے، ان کی بجا آوری یا ان کے اجتناب میں تقدیر کو بہانا نہیں بنانا چاہیے۔ اگرچہ برائی کا ظہور اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، لیکن اللہ اس پر راضی نہیں ہوتا اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے:

باپ اپنے نافرمان بیٹے کو سزا دیتا ہے باپ کی بیٹے کو سزا اس کی مشیت اور ارادہ سے ہے، لیکن اس مار پیٹ میں باپ کی رضا شامل نہیں ہے کیونکہ کوئی باپ اپنی اولاد کو سزا دینے میں خوش نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشیت اور ہے اور رضا چیزے دیگر است، ہمیں اللہ کی مشیت

---

[1] ۱۸/ الکهف: ۲۹۔

کا نہیں بلکہ حصول رضا کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔

ہم اہل حق کا موقف بیان کر رہے تھے کہ بندے کے افعال دو طرح کے ہیں اختیاری اور اضطراری، جب کسی انسان کو سلسل البول کی بیماری ہوتی ہے تو پیشاب کے قطرے غیر اختیاری طور پر نکل جاتے ہیں اور صحت مند و توانا آدمی اپنے اختیار سے پیشاب کرتا ہے، انسان کے افعال واعمال بھی دو طرح کے ہیں، اسے ان افعال پر ثواب وعتاب ہوگا جو بندے نے اپنے ارادہ واختیار سے سرانجام دیئے ہوں گے یہی وجہ ہے کہ جب انسان سے اس کا ارادہ مسلوب ہو جاتا ہے تو غیر ارادی افعال کے ارتکاب پر اس سے مواخذہ نہیں ہوگا مثلاً: بے ہوش آدمی، سویا ہوا آدمی یا وہ انسان جس سے زبردستی کوئی کام کروالیا جائے، شریعت نے ان کے ارتکاب پر معافی کا اعلان کیا ہے۔

تقدیر کے چار مراتب ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(ا) اللہ تعالیٰ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو کائنات میں ہونے والا ہے یا اس کی مخلوق کرنے والی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے سابق علم کے ذریعہ ان تمام چیزوں کو اجمالاً وتفصیلاً جاننے والے ہیں جو ظاہر ہو چکی ہیں یا وجود میں آنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا کی تقدیر کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، ان دونوں مراتب کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ [1]

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ پر تو یہ کام بالکل آسان ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علم پھر اسے تحریر میں لانے کا ذکر ہے جسے حدیث میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے:

---

[1] ۲۲/ الحج: ۷۰۔

''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔'' [1]

(ج) اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیئت کا نفاذ، یعنی کائنات میں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، زمین وآسمان میں کوئی نقل وحرکت اس کی مشیئت وارادہ کے بغیر نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات ومعدومات پر مکمل قدرت اور کنٹرول حاصل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [2]

''تم پروردگار عالم کی چاہت کے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ [3]

''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

(د) اس عالم رنگ وبو میں تمام مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ [4]

''اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

وہی اللہ ہے جس نے موت وحیات کو پیدا فرمایا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴾ [5]

''وہی ہے جس نے موت وحیات کو اس لیے پیدا فرمایا، تاکہ تمہیں آزمالے یعنی تم میں اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب، بخشنے والا ہے۔''

اہل حق کو چاہیے کہ تقدیر کے مندرجہ بالا چاروں مراتب پر ایمان رکھیں، نیز تقدیر کے یہ مراتب اللہ کے لیے ہیں اس کے باوجود بندوں کے افعال کی نسبت بندوں کی طرف کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ان افعال کے مکلّف قرار دیے گئے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، القدر: ٦٧٤٨۔ [2] ٨١/ التكوير: ٢٩۔

[3] ٢٢/ الحج: ١٨۔ [4] ٣٩/ الزمر: ٦٢۔ [5] ٦٧/ الملك: ٢۔

بعض اہل علم نے تقدیر کی چار اقسام بیان کی ہیں:

❶ تقدیر ازلی

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ تقدیر جو زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے تحریر کی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ﴾ ❶

''کوئی مصیبت ملک پر یا خود تم پر نہیں آتی مگر اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی تھی۔''

❷ تقدیر عمری

اس کی پھر دو اقسام ہیں:

(ا) عہد و پیمان کے وقت لکھی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾ ❷

''جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں تا کہ تم لوگ قیامت کے دن یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔''

(ب) شکم مادر میں تقدیر عمری کا بیان حدیث میں ہے کہ قرار نطفہ کے چار ماہ بعد فرشتہ اس کی تقدیر کو لکھتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾ ❸

---

❶ ۵۷/ الحدید: ۲۲۔ ❷ ۷/ الاعراف: ۱۷۲۔ ❸ ۵۳/ النجم: ۳۲۔

''وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ اس لیے خود کو پاک وصاف قرار نہ دو، اللہ تعالیٰ جو تم میں سے پرہیز گار ہے اس سے خوب واقف ہے۔''

3 تقدیر حولی

جس میں سال بھر کے فیصلے ہوتے ہیں، یہ کام لیلۃ القدر میں سرانجام دیا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴾ [1]

''اس رات ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔''

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴾ [2]

''اس رات فرشتے اور روح یعنی جبرائیل ہر کام سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔''

4 تقدیر یومی

ہر روز اس کے تازہ فیصلوں کا نفاذ، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾ [3]

''وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز کسی کو بیمار کر رہا ہے اور کسی کو شفایاب کر رہا ہے، کسی کو مالدار بنا رہا ہے تو کسی مالدار کو فقیر کر رہا ہے، کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر ومشیت سے ہو رہے ہیں یعنی دن رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو اللہ کی کارگزاری سے خالی ہو۔

ہمارے ہاں عوام الناس گناہ کرنے کے لیے تقدیر کو بطور بہانہ پیش کرتے ہیں جبکہ یہ سراسر غلط اور تقدیر پر ایمان کے منافی ہے انسان کو تقدیر ہی پر بھروسہ کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں

[1] ٤٤/ الدخان: ٤۔ [2] ٩٧/ القدر: ٤۔ [3] ٥٥/ الرحمن: ٢٩۔

دیا ہے انسان دنیا بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے لیکن آخرت سنوارنے میں بہانہ سازی سے کام لیتا ہے، انسان کو نیک اعمال کی جستجو کرتے رہنا چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ ﴾ [1]

''ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، یہ بھی تقدیر کا حصہ ہے کہ انسان اپنی حفاظت کے لیے ساز و سامان مہیا کرے، یعنی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف پلٹنا ہے، نیک اعمال بھی تقدیر کا حصہ ہیں، ان کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں پیدا کیا ہے، لہٰذا ہمیں تقدیر پر بھروسہ کر کے بدعملی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق نیک اعمال کی طلب اور جستجو میں لگے رہنا چاہیے۔

---

[1] ٤/ النساء: ٧١۔

عقیدہ کی حقیقت کیا ہے؟

ہمارے ہاں عقیدہ کے متعلق بہت زور دیا جاتا ہے، آخر یہ عقیدہ کیا ہے جس کے متعلق اتنی تاکید کی جاتی ہے کہ اس کی صحت کے بغیر کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہوگا۔ پہلے ہم عقیدہ کے متعلق وضاحت کرتے ہیں پھر ایمانیات کی حقیقت سے پردہ اٹھائیں گے۔ لغوی طور پر لفظ عقیدہ، عقد سے بنا ہے جس کا معنی جوڑنا اور مضبوط کرنا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ زبان کی گرہ: ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ﴾ [1]

"اے اللہ! میری زبان کی گرہ کھول دے۔"

☆ عقد نکاح: ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾ [2]

"عدت پورا ہونے تک عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔"

☆ دھاگے میں گرہ لگانا: ﴿النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ [3]

"دھاگے میں گرہ لگانے والی عورتوں کی پھونک جھاڑ۔"

☆ مضبوط قسم: ﴿بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ [4]

"جن قسموں کو تم نے مضبوط کیا۔"

☆ عہد وپیمان: ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [5]

"اپنے عہد وپیمان کو پورا کرو۔"

چادر باندھنے کے لیے عقد ازار استعمال ہوتا ہے نیز خرید وفروخت اور باہمی لین دین کے معاملات کو بھی عقد کہا جاتا ہے۔ الغرض عربی زبان میں مضبوطی اور پختگی کے معنی کو ادا کرنے کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں عزم بالجزم اور پختہ ذہن پر عقیدہ کا اطلاق ہوتا ہے خواہ ذہن کی پختگی حق پر ہو یا باطل پر۔ اگر ذہنی مضبوطی حق پر ہے تو عقیدہ صحیح کہلاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ ہونا اور اگر کسی باطل چیز پر

[1] ٢٠/ طه: ٢٧۔ [2] ٢/ البقرة: ٢٣٥۔ [3] ١١٣/ الفلق: ٤۔

[4] ٥/ المائدة: ٨٩۔ [5] ٥/ المائدة: ١۔

ذہن پختہ ہوا ہے تو عقیدہ باطل ہے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث پر مضبوط ہونا، الغرض عقیدہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز پر پختہ یقین رکھے اور اسے دین کے طور پر اپنائے قطع نظر کہ وہ چیز حق ہو یا باطل، دین اسلام میں صحیح عقیدہ میں درج ذیل باتیں آتی ہیں:

ا۔ اللہ، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں، یوم آخرت اور اچھی یا بری تقدیر پر پختہ یقین رکھنا۔

ب۔ جو کچھ قرآن مجید اور سنت صحیحہ سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا خواہ ان کا تعلق اصول ایمان سے ہو یا ارکان اسلام سے، خواہ وہ اوامر و نواہی پر مشتمل ہو یا اخبار مغیبات پر۔

اس میں توحید، ایمان، امور غیب، نبوت و رسالت، قضا و قدر اور احکام و اخبار سب آجاتے ہیں اس کے علاوہ اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنا، دشمنی رکھنا، صحابہ کا احترام بھی عقیدہ کا حصہ ہے۔ محدثین عظام نے اس موضوع میں نکھار پیدا کرنے کے لیے کئی ایک نام استعمال کیے ہیں، مثلاً:

1. توحید: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوحید میں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔
2. ایمان: حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''کتاب الایمان'' میں عقیدہ سے متعلق مباحث بیان کیے ہیں۔
3. السنۃ: محدث ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں عقیدہ کے حقائق سے بحث کی ہے۔

ان کے علاوہ الشریعہ اور اصول الدین کے نام سے بھی اسے موسوم کیا جاتا ہے۔ عقیدہ کے متعلق مختصر وضاحت کے بعد ہم ایمانیات کی حقیقت سے متعلق اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں۔

دین اسلام کی حقیقت اور ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی معرفت اور اس کے اسماء وصفات، الوہیت اور اس کی ربوبیت کی جان پہچان کی جائے۔ پھر اس کی وحدانیت اور کبریائی کا بار بار اعتراف کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ عبادت کے لیے غیر اللہ کی نفی اور انکار بھی پورے زور سے کرنا حقیقت ایمان میں شامل ہے۔ اس حقیقت کا ادراک باقی تمام

فرائض ومستحبات سے پہلے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [1]

''اس بات کی حقیقت جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے:

''علم کا مرتبہ قول وعمل سے پہلے آتا ہے جس کی دلیل یہ ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود برحق نہیں ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے علم یعنی جاننے کو مقدم فرمایا ہے۔'' [2]

قرآن کریم کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اس حقیقت کو انسان کے قلب وذہن میں اتارتا ہے بلکہ مکی زندگی کا تیرہ سالہ طویل عرصہ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے صرف ہوا، اس کے بعد دس سالہ زندگی میں علمی مسائل واحکام اور فرائض وہدایات حسب ضرورت بتانا شروع کیے۔ پھر مدنی زندگی میں بھی اصل حقیقت سے آگاہی ضروری خیال کی گئی، تاکہ اسلام کا بنیادی سبق کہیں سہو ونسیان کا شکار نہ ہو جائے کیونکہ یہ سبق ایک اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور باقی تمام اعمال واخلاق اس کی فرع ہیں اور اگر ان کی قیمت واہمیت میں یہ کلیدی حقیقت موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

قارئین کرام! عقائد وایمانیات کا باب بہت ہی اہم ہے اور ان کا علم ہر چیز سے پہلے ہے، ان سے صرف نظر کر کے یوں ہی گزر جانا کسی لحاظ سے مناسب بلکہ درست نہیں، آپ حضرات اس بات پر گواہ ہیں کہ ہم نے اپنے مضمون ''ایمان وعقیدہ'' کا آغاز اسی حقیقت کو بیان کرنے سے کیا تھا، جو ابھی ختم نہیں ہوا۔ البتہ ہم کہتے کہتے اور آپ پڑھتے پڑھتے تھک جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ

---

[1] ٤٧/ محمد: ١٩۔ [2] صحیح بخاری، کتاب العلم باب نمبر: ١٠۔

رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ [1]

''آپ کہہ دیجیے! اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سارا سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر خشک ہو جائیں گے خواہ مدد کے لیے ہم اس جیسا اور سمندر بھی لے آئیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [2]

''اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور اس کے بعد مزید سات سمندر اس کی مدد کریں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اللہ پر ایمان لانے کی ابتدا اللہ کی پہچان اور اس کے حقوق جاننے سے ہوتی ہے، ایمان ایک ایسی منفرد حقیقت ہے کہ اس کی ابتدا بھی اسی سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی اسی پر ہوتی ہے۔ یہ ایمان جن اعمال کو جنم دیتا ہے وہ پھر ایمان کو ہی جنم دیتے ہیں اس کے بیج سے جو عمل پیدا ہوتا ہے وہ پھر ایمان ہی کا پھل دیتا ہے۔ ہم نے اس سے قبل ایمان کے اصول وارکان تفصیل سے بیان کیے ہیں جن کی تعداد چھ ہے لیکن یہ ارکان واصول دراصل اللہ پر ایمان کی ہی تفصیل ہیں دیکھیے اللہ پر ایمان کے بعد فرشتوں پر ایمان لانے کا درجہ ہے، فرشتوں پر ایمان دراصل اللہ کی عظمت وکبریائی کا ہی ایک پہلو ہے، آسمانوں پر ہونے والی اللہ کی حمد وثنا جس میں کبھی وقفہ نہیں ہوا، آسمان کے ہر چپے چپے پر اللہ کے فرشتے، اس کی تعریف وتقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ مخلوق اللہ کے عرش کے پائے تھامے ہوئے ہے پھر وہ ہر آن اللہ سے دعاؤں اور التجاؤں میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ کے ہاں جو بیت معمور ہے، جس کا فرشتے طواف کرتے ہیں، جسے ایک دفعہ اس کے طواف کا شرف حاصل ہو جائے پھر قیامت تک اس کے طواف کا انتظار کرنے والے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہی تو ہیں،

[1] ۱۸/ الکھف: ۱۰۹۔ [2] ۳۱/ لقمان: ۲۷۔

یہ در حقیقت اللہ کی الوہیت، ربوبیت، عظمت و ہیبت اور اس کی کبریائی و فرمان روائی کا ایک خوبصورت پہلو ہی تو ہے۔

پھر اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ان پر ایمان اس بات کا اعتراف ہے کہ انسان اللہ کی ہدایت کا ہمیشہ محتاج ہے اس اللہ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی کے لیے اپنے کلمات ان تک پہنچانے کا بندوبست فرمایا، پھر ان کلمات کو سمجھانے اور سبق پڑھانے کے لیے انسانوں میں سے ہی بے لوث قسم کے برگزیدہ حضرات کا انتخاب فرمایا، جنہیں رسول کہا جاتا ہے۔ جو انسانوں کو اللہ کی بندگی کے آداب اور زندگی گزارنے کے طور واطوار بتاتے ہیں۔ ان کتابوں اور رسولوں کا موضوع بھی اللہ وحدہ لاشریک کی ذات کبریاء ہے۔

اس کے بعد یوم آخرت پر ایمان لانا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴾ [1]

”جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید اور یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔“ [2]

یوم آخرت کا موضوع بھی اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے کیونکہ آخرت پر ایمان اس بات کا اعتراف ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں دیکھا جائے گا کہ انسان نے اپنی زندگی کا مقصد کیونکر پورا کیا اور اللہ کی بندگی کو وہ کیسے بجالایا؟

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب بھی اللہ کے ہر فیصلے پر دل کی گہرائی سے راضی رہنے کا عہد کرنا ہے، تقدیر کی حقیقت بس یہی ہے کہ سبب اور مسبب کے درمیان جو رشتہ ہے اللہ کی مشیئت کا تقاضا سمجھ کر اس کا احترام کیا جائے کیونکہ اس رشتے کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے

---

[1] ١٨/ الکھف: ١١٠۔ [2] مسند امام احمد، ص: ٣١٣ ج ٢۔

لیکن وہ ان رشتوں کا پابند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ممکنہ اسباب اختیار کر لینے کے باوجود سہارا اس کی مشیت پر ہونا چاہیے اور امیدیں اس کے مطلق فضل پر لگائی جائیں، تقدیر پر ایمان کی یہی روح ہے، قرآن کریم کے مطالعہ سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ ارکان ایمان کی صورت میں انسان مختلف انداز میں اللہ پر ایمان کی توثیق کرتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے وہ اللہ کی ذات کا تعارف اور اس کے ساتھ عہد وفاداری کا اقرار ہے۔ قرآن کریم میں جہاں ارکان ایمان کا بیان ہوا ہے وہاں ذات کبریاء ہی نمایاں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ ﴾ [1]

''اے ایمان والو! تم اللہ پر، اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ان کتابوں پر جو اس نے پہلے اتاری تھیں، ان سب پر ایمان لاؤ، اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کر دے گا وہ گمراہی میں بہت دور چلا جائے گا۔''

اس آیت کریمہ میں جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ [2]

''اللہ کا رسول اس چیز پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے نازل ہوتی تھی اور اہل ایمان نے بھی اس پر یقین کر لیا، ہر ایک ایمان لے آیا اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان

[1] ٤/ النساء: ١٣٦۔ [2] ٢/ البقرة: ٢٨٥۔

تفریق روا نہیں رکھتے اور انہوں نے کہا اے اللہ! ہم نے تیرا حکم سنا اور اسے مان لیا، اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔''

ان آیات میں تقدیر کا بیان نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر تقدیر کے معاملہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴾ ❶

''اللہ کا ہر فیصلہ طے شدہ ہے۔''

﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ ❷

''اور اس کے فیصلے کو ہر حال ہو کر رہنا ہے۔''

مختصر یہ کہ عبادت ہی بنیاد تسلیم ورضا ہے، سراپا تسلیم اور مطلق فرمانبرداری ہی اسلام کی روح ہے، عافیت اس میں ہے کہ احکام شریعت کی حکمت کے متعلق کھوج نہ لگائی جائے۔ جو بات قرآن وحدیث میں آجائے اس کو مان کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی ایسا سوال نہیں کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم کیوں دیا اور اس بات سے کیوں روکا، اس قسم کے سوالات ایمان کے منافی ہیں۔ اوامر الٰہیہ کے مراتب حسب ذیل ہیں:

❶ ان کی تصدیق کرنا۔

❷ ان کی تعمیل کا عزم رکھنا۔

❸ ان کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہونا۔

❹ اس سلسلہ میں خلل انداز ہونے والی اشیا سے خبردار رہنا۔

❺ بجا آوری اللہ کے مطلوبہ معیار کے مطابق ادا کرنا۔

❻ اللہ کا حکم سمجھ کر اسے بجالانا خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تسلیم وانقیاد کی نعمت سے نوازے، زندگی بھر اسی پر کاربند رکھے، تاکہ قیامت کے دن ہمیں اس کے فرماں بردار بندوں کی رفاقت نصیب ہو۔ (آمین)

❶ ۳۳/ الاحزاب: ۳۸۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب: ۳۷۔

عقیدہ توحید اور اس کے اہداف و مقاصد

دین اسلام وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بطور ضابطہ حیات انتخاب فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچانے کا اہتمام کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ [1]

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا، تا کہ اسے دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے اگر چہ اہل شرک کو کتنا ہی نا گوار ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو اپنے بندوں کے لیے مکمل ترین دین بنایا اور اس کے ذریعے ان پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا اور ان کے لیے اسے بطور قانون زندگی پسند فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [2]

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت بھی تم پر پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے۔''

اب اللہ کے ہاں تمام ادیان میں سے پسندیدہ دین اسلام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ [3]

''بلاشبہ اللہ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔''

اب اگر کوئی اس دین کے علاوہ کسی دوسرے دین پر عمل پیرا ہوگا تو اس کے طرز عمل کو قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس طرح وہ سراسر خسارے اور نقصان میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

[1] ٦١/ الصف: ٩۔ [2] ٥/ المائدة: ٩۔ [3] ٣/ آل عمران: ١٩۔

﴿الْخٰسِرِيْنَ﴾ 1

”اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ آخرت میں سراسر خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جس کسی نے خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی میری بابت سنا پھر وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے تو وہ یقیناً اہل جہنم سے ہے۔“ 2

اس دین اسلام میں عقیدہ توحید کو وہی اہمیت حاصل ہے جو بنیاد کو عمارت اور بیج کو درخت میں ہے، اگر کسی عمارت کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو یا کسی درخت کا بیج ہی صحت مند نہ ہو تو وہ عمارت عالی شان نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ درخت توانا و تندرست ہو سکتا ہے۔ عقیدہ توحید کی یہ برکات ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء و صفات اور بندوں پر اس کے حقوق کی پہچان ہوتی ہے۔ یہی توحید تمام شریعتوں کی بنیاد ہے، تمام انبیا نے بنیادی طور پر اسی عقیدہ توحید کی دعوت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ 3

”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس لیے میری ہی عبادت کیا کرو۔“

خود اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید پر گواہی دی ہے۔ اللہ کے فرشتوں اور اہل علم حضرات نے بھی اس امر کی شہادت دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۭ﴾ 4

1 ۳/ آل عمران: ۸۵۔ 2 صحیح مسلم، الایمان: ۱۵۳۔
3 ۲۱/ الانبیاء: ۲۵۔ 4 ۳/ آل عمران: ۱۸۔

''اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس زور آور اور دانا کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔''

توحید کے اس بلند و بالا مرتبے کی وجہ سے ہر مسلمان پر اس کا سیکھنا، دوسروں کو اس کی تعلیم دینا، اس پر غور و فکر کرنا اور اسے بطور عقیدہ اپنانا انتہائی ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے دین کو اطمینان و سکون اور تسلیم و رضا کے ساتھ صحیح بنیاد پر استوار کر سکے نیز وہ اس کے اثرات ونتائج سے بہرہ ور ہو سکے۔

☆ عقیدہ توحید کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور اس عبادت کے لیے طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [1]

''میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ [2]

''انہیں حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ پوری طرح یکسو ہو کر خالص اللہ کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔''

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی عبادت کا سزاوار اس لیے ہے کہ وہ ہمارا خالق و رازق ہے اور اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔

☆ عقیدہ توحید کا دوسرا ہدف یہ ہے کہ انسان کے دل میں پیدا ہونے والی ہر قسم کی بے راہ روی سے اس کی عقل و فکر آزاد ہو کیونکہ جس کا دل عقیدہ توحید سے خالی ہو گا وہ یا تو ہر قسم کے عقیدہ سے محروم رہتے ہوئے صرف ایسی چیزوں کی عبادت کرے گا جو اسے نظر آتی ہوں گی یا پھر عقیدہ کے بگاڑ اور خرافات کا شکار ہو جاتا ہے۔

☆ عقیدہ توحید کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ اسے اپنے دل میں جگہ دینے والا اطمینان و سکون

---

[1] ٥١/ الذاریات: ٥٦۔ [2] ٩٨/ البينة: ٥۔

سے زندگی بسر کرتا ہے وہ کبھی بے چینی یا بے قراری کا خوگر نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو دل و جان سے ماننے اور تسلیم کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ اسے اسلام کی حقانیت وصداقت کے متعلق بھی شرح صدر ہوتا ہے اور وہ اس کے علاوہ کوئی اور بدل تلاش نہیں کرتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ [1]

''اور جو اللہ پر ایمان لائے تو اللہ اس کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے۔''

☆ عقیدہ توحید کا پانچواں ہدف یہ ہے کہ اسے ماننے والا ثواب حاصل کرنے کے لیے عمل صالح کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح عذاب الٰہی کے خوف سے گناہوں کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے آپ کو ان مواقع سے دور رکھتا ہے جو انسان کو مصیبت سے آلودہ کر دیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾ [2]

''وہ لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں کیونکہ آپ کے رب کا عذاب ایک ڈرنے کی چیز ہے۔''

☆ عقیدہ توحید کا چھٹا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے باکردار افراد کی تعیین کرتا ہے جو اللہ کے دین کی خاطر اپنے ہر قیمتی ورثے کو قربان کر دیں اور اس سلسلہ میں جو مصیبتیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ [3]

''حقیقت میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر

---

[1] ٦٤/ التغابن: ١١۔ [2] ١٧/ بنی اسرائیل: ٥٧۔ [3] ٤٩/ الحجرات: ١٥۔

کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہوں اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کی قربانی سے دریغ نہ کریں، یہی لوگ صداقت کے پیکر ہیں۔''

☆ عقیدہ توحید کا ساتواں مقصد یہ ہے کہ ایسا معاشرہ وجود میں لایا جائے جس کے افراد اپنی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے ذریعے دنیا وآخرت کی سعادت اور اللہ کے ہاں اجر وثواب اور انعام واکرام حاصل کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [1]

''جو شخص بھی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اسے دنیا میں پاک اور آرام کی زندگی فراہم کریں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔''

اس کے برعکس جو عقیدہ توحید سے عاری ہیں ان کے متعلق فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝﴾ [2]

''اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جیسے ہماری آیات تیرے پاس آئیں تو نے انہیں نظر انداز کر دیا اسی طرح آج تجھے بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے۔''

یہ چند ایک عقیدہ توحید کے اغراض ومقاصد ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے حصول کی توفیق دے اور ہمارے لیے انہیں آسان فرمائے۔ (آمین)

[1] ١٦/ النحل: ٩٧۔ [2] ٢٠/ طٰہ: ١٢٤ تا ١٢٦۔

نواقض ایمان

ہم پہلے تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ ایک بندہ مومن کے لیے کن کن چیزوں کا اقرار اوران کے متعلق اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اب ہم ان امور کا جائزہ لیں گے جن کے ارتکاب سے بندہ کا ایمان رخصت ہو جاتا ہے، اور وہ اہل ایمان کے حلقہ سے نکل کر اہل کفر کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے، لیکن ان امور کی نشاندہی سے پہلے ایمان اور اسلام کی اس حد کو واضح کر دینا ضروری ہے کہ جب ایک مکلّف انسان اس کو چھو لے تو اسے مومن یا مسلمان کہا جائے اور جب اس حد سے پیچھے رہے تو اس کا شمار کافروں میں ہو، اور اس پر دنیا و آخرت میں کفر کے احکام جاری ہوں بشرطیکہ اسے اس حد تک پہنچنے سے پہلے پہلے موت آجائے یعنی وہ حد کفر اور ایمان کے مابین ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے، اس کی وضاحت کرنا اس لیے ضروری ہے کہ دائرہ کفر کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل ہوں، اس پر ہم آیندہ دو پہلوؤں سے گفتگو کریں گے:

(ا) کافر کب مؤمن بنتا ہے۔ یعنی اللہ کے دین میں داخل ہونے کی کیفیت کیا ہے؟

(ب) مؤمن کب کافر ہو جاتا ہے۔ یعنی کون سے امور اسے دین اسلام سے خارج کرتے ہیں؟

ہم پہلے جو حقائق بیان کر آئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ارکان ایمان میں اجمال و تفصیل ہے، جس شخص نے ان ارکان کو تفصیل سے معلوم کر لیا، پھر ان کی تصدیق کی اور ان کے تقاضوں کے مطابق اعمال بجا لایا ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴾ [1]

”یہی درحقیقت سچے مؤمن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں بخشش ہے اور عمدہ رزق ہے۔“

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس نے اپنے بندوں پر فضل و کرم اور آسانی کرتے ہوئے ایمان میں داخل ہونے کے لیے ایک ایسا دروازہ رکھا ہے جس میں داخل

[1] ۸/ الانفال: ٤۔

ہونے کے لیے تفصیل بالا کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے بغیر صرف اجمالی اقرار کو ہی کافی قرار دیا گیا ہے یعنی بندہ جب اپنی زبان اور دل کی گہرائیوں سے اس بات کو تسلیم کرلے کہ اللہ ہی اس کا پروردگار اور معبود برحق ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے فرستادہ ہیں اور وہ جو کچھ بھی اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ حق اور سچ ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، تو اسے مؤمن شمار کیا جائے، یاد رہے کہ اس اقرار کے لیے کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو بطور عنوان مقرر کیا گیا ہے۔

جس شخص نے یہ کلمہ دل کے اخلاص کے ساتھ زبان سے ادا کر دیا اور اس کے ساتھ کوئی ایسی بات یا عمل یا عقیدہ کو شامل نہ کیا جو اس کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضوں کے منافی ہو وہ کفر کی حدود کو عبور کر کے اللہ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے، یعنی دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے شہادتین کا زبانی اقرار یا اقرار کے قائم مقام کوئی اقدام یا اس کے لیے معمولی سی راہنمائی بھی کافی ہے، اگرچہ اسلام کے اظہار کرنے میں تعبیر غلط ہی کیوں نہ ہو جس کی ہم آیندہ وضاحت کریں گے۔ متعدد احادیث میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ایمان و اسلام کا حصول، دخول جنت کا استحقاق اور جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات کا دارومدار صرف کلمہ طیبہ کی تصدیق اور اس کے اقرار صالحہ پر مبنی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شخص کے مسلمان ہونے کی شہادت دیتے تھے جو اللہ وحدہ لاشریک کو معبود برحق اور رسالت محمدی کا اقرار و تصدیق کرتا ہو، اسلام میں داخل ہوتے وقت اس سے زیادہ کسی بات کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے صرف شہادتین کے اقرار و تصدیق کا مطالبہ کیا تھا اس سے موت کے وقت کہا تھا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو میں قیامت کے دن تیرے لیے گواہی دوں گا بلکہ اللہ کے حضور تیری طرف سے وکالت کروں گا، لیکن اس نے ابو جہل اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کے کہنے پر اس اقرار و تصدیق سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾ [1]

---

[1] ۲۸/ القصص: ۵۶۔

''اے نبی! جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے کیونکہ وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔'' [1]

ہاں اگر قرائن سے پتہ چل جائے کہ کوئی شخص اقرار کرنے کے باوجود اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اس کے لیے مزید کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند یہودی آئے اور انہوں نے آپ سے نو واضح نشانیوں کے متعلق دریافت کیا جب آپ نے انہیں بتایا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومے اور اقرار کیا کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں، لیکن وہ اس اقرار کے باوجود آپ کی اتباع نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے ان سے فرمایا: ''پھر تمہیں میری اتباع سے کیا چیز مانع ہے۔'' تو کہنے لگے ہمیں خطرہ ہے کہ یہودی ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ [2]

حالانکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے دخول اسلام کے لیے صرف اقرار و تصدیق ہی کافی ہوتا تھا بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے صرف سر کے اشارہ کو ہی اقرار و تصدیق کے قائم مقام قرار دیا ہے جیسا کہ شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی سے پوچھا کہ تیرا رب کون ہے؟ اس نے اوپر آسمان کی طرف اشارہ کر دیا، پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اس نے پہلے آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر آپ کی طرف کیا، اس پر آپ نے اس کے مؤمن ہونے کی گواہی دی۔'' [3]

اس سلسلہ میں مزید چند احادیث پیش خدمت ہیں:

1. غزوہ تبوک کے موقع پر جب زاد سفر کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزہ کا ظہور ہوا تو آپ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔''

---

[1] صحیح بخاری، مناقب الانصار: ٣٨٨٤۔ [2] مسند امام احمد، ص: ٢٤٠ ج ٤۔

[3] ابو داود، الایمان والنذور: ٣٢٨٣۔

پھر فرمایا: ''جس شخص نے بایں حالت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی کہ اس شہادت کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار نہ ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔'' ❶

ایک دوسری روایت میں ہے:

''ایسے شخص کو دوزخ سے بچالیا جائے گا۔'' ❷

❷ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

''جس نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر جہنم حرام کردیں گے۔'' ❸

❸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک دن پیغام دیا: ''جس نے دل کے یقین کے ساتھ اللہ کے معبود برحق ہونے کی گواہی دی اسے جنت کی بشارت دے دو۔'' ❹

❹ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے اللہ کے معبود برحق اور میرے رسول برحق ہونے کی گواہی دی، اللہ تعالیٰ اس پر جہنم حرام کردے گا۔'' ❺

❺ حضرت مالک بن دخیشن کے متعلق جب لوگوں نے منافق ہونے کا الزام لگایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے گا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔'' ❻

❻ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ بھی اس موقف کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مسجد حرام میں بآواز بلند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، اس پر کفار مکہ نے انہیں بہت زدوکوب کیا یہاں تک کہ انہیں خون میں نہلا دیا گیا۔ ❼

❶ صحیح مسلم، الایمان: ۱۳۸۔ ❷ صحیح مسلم، الایمان: ۱۳۹۔
❸ صحیح مسلم، الایمان: ۱۴۲۔ ❹ صحیح مسلم، الایمان: ۱۴۷۔
❺ صحیح مسلم، الایمان: ۱۴۸۔ ❻ صحیح بخاری، التہجد: ۱۱۸۶۔
❼ صحیح بخاری، المناقب: ۳۵۲۲۔

ان تمام تصریحات کا تقاضا ہے کہ جو شخص توحید پر فوت ہوا اللہ تعالیٰ اسے شہادتین کی ادائیگی کے بعد ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے اور اسے عذاب ہوا تو اس کے گناہوں کی وجہ سے ہوگا بالآخر اسے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہونے والے واقعات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنے والے کو دخول اسلام کا پروانہ دے دیا گیا۔ جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے:

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا، جب ہم نے اس مہم کو سر کر لیا تو میں نے اور ایک انصاری نوجوان نے کفار کے ایک آدمی کو قابو کر لیا، اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا، اس کے بعد انصاری تو اس سے الگ ہو گیا لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسامہ! تو نے اسے اس وقت قتل کیا جب اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا۔'' میں نے کہا اس نے صرف بچاؤ کے لیے کلمہ پڑھا تھا، رسول اللہ ﷺ اسامہ کے اس اقدام پر دیر تک اظہار افسوس کرتے رہے حتیٰ کہ اسامہ کہنے لگے کاش! میں آج مسلمان ہوتا تا کہ مجھ سے یہ کام سرزد نہ ہوتا۔'' [1]

ایک روایت میں ہے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! اس نے ہتھیار دیکھ کر خوف قتل سے ایسا کیا تھا، آپ نے فرمایا: ''کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ واقعی قتل کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا تھا۔'' [2]

بلکہ اقرار صحیح کے بجائے اگر قرائن سے اس کا مسلمان ہونا معلوم ہو گیا تو اسے بھی کافی سمجھ لیا گیا جیسا کہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے کسی کفارہ میں ایک لونڈی کو آزاد کرنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے دریافت کیا ''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا آسمانوں

---

[1] صحیح بخاری، المغازی: ٤٢٦٩۔ [2] صحیح مسلم، الایمان: ٢٧٧۔

میں، پھر آپ نے فرمایا ''میں کون ہوں؟'' اس نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے آزاد کردو یہ مؤمنہ ہے۔'' ❶

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہنے سے ہی اس کا موحد ہونا معلوم کرلیا گیا اور اسے مسلمان قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر کوئی تلوار سے میرا ایک بازو کاٹ دے پھر مجھے موقع ملے تو وہ درخت کی اوٹ لے کر کہہ دے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں کیا ایسے حالات میں اسے قتل کردیا جائے، آپ نے فرمایا: ''ایسے شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔'' ❷

بلکہ اگر معمولی سی راہنمائی مل جائے کہ وہ مسلمان ہے اور اسلام لانے کی تعبیر میں اس سے غلطی ہی کیوں نہ ہوجائے تب بھی اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنوجزیمہ کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا، ان کی دعوت سے وہ قبیلہ مسلمان ہوگیا لیکن اچھی طرح اس کا اظہار نہ کر سکا بلکہ صبأنا صبأنا یعنی ہم اپنے آبائی دین سے الگ الگ ہوگئے، یہ الفاظ کہنے لگے، لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے اس طرح اظہار اسلام کا اعتبار نہ کیا چنانچہ کچھ قتل کردیئے گئے اور کچھ کو قیدی بنالیا گیا، جب رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں۔'' ❸

واضح رہے کہ جس روایت میں صرف لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے اس سے مراد شہادتین ہے کیونکہ احادیث ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں، چنانچہ دیگر احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے اس لیے جن میں محمد رسول اللہ کا ذکر نہیں ہے انہیں مفسر احادیث پر محمول کرنا ہوگا۔

ان واقعات وحقائق سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

---

❶ صحیح مسلم، المساجد: ٥٣٧۔ ❷ صحیح بخاری، الدیات: ٦٨٦٥۔

❸ صحیح البخاری، المغازی: ٤٣٣٩۔

❶ کسی انسان کے مسلمان ہونے کا فیصلہ اس وقت کیا جائے گا جب وہ دل وجان سے شہادتین کا اقرار کرلے یا اقرار کے قائم مقام کوئی واقعہ اس سے سرزد ہو یا اس کے متعلق خارجی قرائن وشواہد مل جائیں، اس طرح جب وہ اقرار کرلے تو اس کے کفر کا فیصلہ اس وقت کیا جائے گا جب شہادتین کے خلاف کوئی بات یا عمل سرزد ہو یا اس کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہو۔

❷ مرتد کے لیے ضروری ہوگا کہ شہادتین کے اقرار کے ساتھ جب تک ان چیزوں کا اقرار نہ کرلے جن کے انکار کی وجہ سے وہ مرتد قرار دیا گیا تھا، اس اضافی اقرار کے بغیر اس کا اقرار شہادتین غیر معتبر ہوگا جیسا کہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رویے سے معلوم ہوتا ہے۔

❸ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ شہادتین کے اقرار سے بندہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اس پر دنیوی احکام بھی جاری ہوں گے لیکن خلود فی النار سے نجات کے لیے تصدیق قلبی کا ہونا ضروری ہے جو شخص تصدیق قلبی کے بغیر شہادتین کا اقرار کرتا ہے اگرچہ وہ حقیقت کے اعتبار سے منافق ہے تاہم اس دنیوی زندگی میں ہم اس پر مسلمانوں کے احکام جاری کریں گے، ایسے حالات میں دلوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیا جائے گا کیونکہ اس کے علاوہ دلوں کی باتیں جاننے والا اور کوئی نہیں ہے جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے اقرار کرنے والے کو قتل کردیا کہ یہ آدمی اپنے اسلام لانے میں مخلص نہیں ہے بلکہ ڈر کے مارے مسلمان ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اقدام قتل سے اتفاق نہیں فرمایا، بلکہ یہ تعلیم دی کہ اسامہ کو اس کے ظاہر حال کے مطابق عمل کرنا چاہیے تھا۔

ایمان لانے کے بعد اہل ایمان دو بڑی اقسام میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

قسم اول: وہ خوش قسمت حضرات جو ایمان لانے کے بعد ثابت قدم رہے حتیٰ کہ جب انہیں موت آئی تو اس وقت زبان سے شہادتین کا اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرنے والے تھے۔ پھر ان حضرات کی آگے مزید انواع واقسام ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ﴾ [1]

''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ پھر ان میں سے کوئی تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی میانہ روی اختیار کرنے والا اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تینوں قسم کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔'' [2]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سابقین، حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، میانہ روی اختیار کرنے والے آسان حساب کے بعد اور ظلم پیشہ لوگ سفارش یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔

قسم دوم: وہ بدبخت لوگ جو ایمان لانے کے بعد دین اسلام کے بنیادی حقائق سے انکار کرتے ہوئے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائیں گے، اسلام سے خارج ہونے کے لیے کئی ایک اسباب ہیں، ہم انہیں ذکر کرنے سے پہلے ایک عام قاعدہ بیان کرتے ہیں جسے امام طحاوی نے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ہم اہل قبلہ کو مسلمان اور اہل ایمان مانتے ہیں جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کا اعتراف کرتے ہوں اور جو باتیں آپ کی ہیں ان کی تصدیق کرتے ہوں، ہم کسی اہل قبلہ کو اس کے گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیں گے جب تک وہ گناہوں کو اپنے لیے حلال خیال نہ کرے، ہم یہ نہیں کہتے کہ ایمان کے بعد بندہ جو بھی گناہ کرتا رہے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا، مختصر یہ کہ وہ ایمان سے اس وقت خارج ہوگا جب وہ ہر اس چیز کا انکار کردے جس کے ذریعے وہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔'' [3]

[1] ۳۵/ فاطر: ۳۲۔ [2] جامع ترمذی، التفسیر: ۳۲۲۵۔ [3] عقیدہ طحاویہ، ص: ۳۵۰۔

اس قاعدہ کی تشریح یہ ہے کہ شارع اسلام نے ایمان میں داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ رکھا ہے، وہ شہادتین کا اقرار اور ان کی تصدیق ہے، جو شخص اس دروازے سے اسلام کی عمارت میں داخل ہوگا تو جب تک اپنے اقرار وتصدیق کے خلاف کوئی بات یا عمل نہیں کرتا یا اس کے برعکس کسی عقیدے کا اظہار نہیں کرتا ہم اس وقت تک اسے داخل اسلام ہی قرار دیں گے۔

واضح رہے کہ ''لا الہ الا اللہ'' کی گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت والوہیت میں یگانہ، اپنی صفات میں وحدہ لاشریک اور اپنے احکام وافعال میں بے مثل ہے، اس شہادت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے جو احکام شریعت لے کر آئے ہیں ان کا دل وجان سے اقرار وتصدیق کی جائے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں نیز جن امور غیب کی آپ نے خبر دی ہے انہیں برحق تسلیم کیا جائے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اخلاق وصفات یعنی صداقت وامانت، فطانت وذہانت، تبلیغ ورسالت اور آپ کی عصمت وعفت کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔

اس اقرار وتصدیق کے بعد اگر وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے یا کوئی ایسی بات کہتا ہے جو بیان کردہ حقائق کے انکار کے مترادف ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے شہادتین کے اقرار کو توڑ ڈالا ہے اور وہ اللہ کے دین سے خارج ہو چکا ہے۔ پھر اگر اس کا قول وفعل اس کی نیت اور عقیدہ کے بھی مطابق ہے تو دنیوی اور اخروی اعتبار سے اسے کافر ہی کہا جائے گا یعنی دنیا میں اس کے ساتھ کفار کا سا معاملہ کیا جائے گا اور اس پر ارتداد کے احکام جاری ہوں گے، پہلے اسے توبہ کرنے کے متعلق کہا جائے گا، اس کے لیے اسے مہلت دی جائے گی اگر توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کر دیا جائے گا ایسا انسان قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہے گا۔

ہاں اگر بندہ مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے اور کوئی ایسی بات یا ایسا عمل کرتا ہے جسے شریعت میں اللہ کی نافرمانی یعنی معصیت کہا جاتا ہو، اس قسم کا گناہ اس کے خروج اسلام کے لیے کافی نہیں ہوگا اگرچہ وہ توبہ نہ کرے بشرطیکہ اس سے کوئی ایسا کام، ایسی بات سرزد نہ ہو

جوشہادتین کے اقرار کو ختم کر دینے کے مترادف ہو، ایسا انسان اللہ کی مشیت میں داخل ہے وہ چاہے تو اسے اس کے گناہ کی سزا دے دے اور اسے جہنم رسید کر دے، بالآخر اس قسم کا انسان جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ جائے گا جیسا کہ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جس انسان کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا اسے ضرور آگ سے نکال لیا جائے گا اور اگر اللہ چاہے تو اسے سزا کے بغیر ہی معاف کر کے محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل کر دے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [1]

''بلاشبہ اگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے تو وہ کبھی معاف نہیں کرے گا، اور اس کے علاوہ وہ دوسرے گناہ جسے چاہے معاف کر دے۔''

---

[1] ٤/ النساء: ١١٦۔

نواقض اسلام

نواقض لغوی طور پر ناقضہ کی جمع ہے جو لفظ نقض سے ماخوذ ہے جس کا معنی کسی پختہ عہد یا عمارت کو توڑنا ہے شرعی طور پر اس کا معنی یہ ہے کہ زندگی کے کسی شعبہ میں دین اسلام کے متضاد قول و عمل کا ارتکاب کرنا یا دل میں اس کے برخلاف عقیدہ رکھنا، یعنی ایمان کے بعد جن وعدوں کو پورا کرنا ضروری ہے انہیں توڑ ڈالنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ﴾ [1]

"اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے مبادا مؤمن اپنے قول و عمل یا نظریہ و اعتقاد سے کسی ایسے امر کا مرتکب ہو جائے جس سے زندگی بھر کی کمائی اکارت ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴾ [2]

"یا یہ کہہ دو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے تو کیا ہمیں تو اس قصور میں ہلاک کرتا ہے جو غلط کاروں نے کیا تھا۔"

چونکہ یہ عہد ہر ایک سے فرداً فرداً لیا گیا تھا، لہٰذا آباؤ اجداد اور ماحول کے بہانہ سے کوئی بچ نہیں سکے گا۔

جب انسان کلمہ پڑھتا ہے تو وہ دراصل اس عہد کی تجدید کرتا ہے، اسے پورا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے بہت تاکید فرمائی ہے لہٰذا اپنے ایمان کے لیے فکر مند انسان کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ توحید و ایمان کے متضاد اقوال و اعتقادات سے پوری طرح باخبر رہے اور ان کی واقفیت حاصل کرے۔

---

[1] ۱۶/ النحل: ۹۲۔ [2] ۷/ الاعراف: ۱۷۳۔

جس طرح نمازی انسان کے لیے نواقض وضو کا جاننا ضروری ہے تا کہ اپنی نماز کی حفاظت کر سکے اسی طرح ایک مؤمن کے لیے نواقض اسلام کو پوری بصیرت کے ساتھ جاننا ضروری ہے۔ دور حاضر میں مسلمانوں کی اکثریت نواقض اسلام سے ناواقف ہونے کی وجہ سے شرک اکبر میں مبتلا ہے، پھر اس کے جواز کے لیے علمائے سوء نے انہیں دلائل بھی مہیا کر دیئے ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر ہم نواقض اسلام بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں تا کہ مؤمن اپنے سرمایہ کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاں اجر جزیل سے نوازے کہ انہوں نے نواقض اسلام پر قلم اٹھایا اور ہمیں ان سے آگاہ فرمایا، ہم ان سطور میں ان کے بیان کردہ نواقض اسلام کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان نواقض سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

☆ اللہ نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [1]

''اور میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اللہ کی بندگی میں کسی اور کو شریک کرنا کھلا کفر ہے جو کسی صورت میں معاف نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ﴾ [2]

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جسے چاہے معاف کر دے گا۔''

شرک کی موٹی موٹی تین اقسام ہیں:

1. اللہ کی ذات میں کسی کو شریک بنانا جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا خیال کرتے ہیں اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے ہیں یا ہمارے ہاں کچھ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کا حصہ خیال کرتے ہیں۔

[1] ٥١/ الذاريات ٥٦۔ [2] ٤/ النساء: ١١٦۔

2 اللہ کی صفات میں کسی کو شریک کرنا، جیسا کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھنا یا کسی دوسرے کے لیے کلی طور پر علم غیب کو ثابت کرنا۔

3 اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جیسا کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا نذر و نیاز دینا یا انہیں استعانت کے لیے پکارنا۔

شرک کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ [1]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کے لیے کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔''

جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بناتا ہے، انہیں پکارتا ہے اور ان سے سفارش کا سوال کرتا ہے اور ان پر بھروسہ رکھتا ہے ایسا انسان بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے شرک کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ ﴾ [2]

''ہم تو ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں درجہ کے لحاظ سے اللہ کی قریب کر دیں۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس عقیدے کی مزید وضاحت فرمائی ہے، فرمایا:

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ ﴾ [3]

''اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں کچھ فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتیں اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی

---

1 ٥/ المائدة: ٧٢۔ 2 ٣٩/ الزمر: ٣۔ 3 ١٠/ یونس: ١٨۔

ہوں گے۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ کو براہ راست پکارنا چاہیے، اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لیے کسی زندہ یا مردہ کو وسیلہ نہ بنایا جائے۔ جو مشرکین کے متعلق نرم گوشہ رکھتا ہے اور انہیں کافر خیال نہیں کرتا، یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے اور ان کے مذہب کو صحیح سمجھتا ہے اس کا بھی دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ [1]

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، ان میں سے اور کافروں میں سے ایسے لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق بنا رکھا ہے اور اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔''

☆ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے علاوہ کسی اور کی ہدایت زیادہ کامل ہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ کسی دوسرے کا حکم رسول اللہ ﷺ کے حکم سے زیادہ بہتر ہے۔ وہ بھی اسلام سے خارج ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴾ [2]

''کہہ دیجیے! اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر روگردانی کریں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

اسی طرح جو شخص طاغوت کے فیصلے کو آپ کے فیصلے پر ترجیح دیتا ہے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي

---

[1] ۵/ المائدۃ: ۵۷۔ [2] ۳/ آل عمران: ۳۲۔

أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [1]

''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم تسلیم نہ کرلیں، پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ پر پوری طرح سر تسلیم خم نہ کردیں۔''

اس آیت کے پیش نظر ان حضرات کے لیے لمحہ فکریہ ہے، جو قول امام کے مقابلہ میں صحیح حدیث سے گھٹن محسوس کرتے ہیں۔

☆ جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کسی بھی چیز سے بغض رکھے اگرچہ وہ اس پر عمل بھی کرتا ہو اس کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقین کی مذمت کی ہے جو اپنی خود غرضی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ [2]

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور آؤ رسول کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں۔''

☆ جو شخص دین اسلام کے کسی جزو کے ساتھ استہزا کرے یا اس کے ثواب و عذاب کا مذاق اڑائے وہ بھی دعویٰ اسلام کے باوجود دین اسلام سے خارج ہے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں بعض مغرب زدہ لوگ اسلامی حدود کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں وحشیانہ قرار دیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ﴾ [3]

---

[1] ٤/ النساء: ٦٥۔ [2] ٤/ النساء: ٦١۔ [3] ٩/ التوبة: ٦٥، ٦٦۔

''آپ کہہ دیں! کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو، تم بہانے نہ بناؤ، تم اپنے ایمان کے اظہار کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ دین کی باتوں کو مذاق کا موضوع بنانا بہت خطرناک معاملہ ہے، ہمارے ہاں عموماً لاعلمی میں جنت، جہنم، قرآن کریم کی بعض آیات، رسول اللہ ﷺ کی بعض سنتوں کو مذاق کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، یہ عمل براہ راست کفر تک پہنچانے والا ہے۔

☆ مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین سے تعاون کرنا، اس کا مرتکب بھی دین اسلام سے خارج ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ﴾ [1]

''مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے ساتھ قلبی تعلقات قائم کرنے سے منع فرمایا ہے البتہ بوقت مجبوری ظاہری رواداری کا دم بھرا جا سکتا ہے۔ تجارتی معاملات میں بھی ایک دوسرے سے تعاون کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ خم ٹھونک کر مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتر آئیں تو اس صورت میں کسی قسم کے تعلق کی اجازت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [2]

''اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا یقیناً وہ انہی میں شمار ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم پیشہ لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔''

☆ جو شخص اللہ کے دین سے روگردانی کرتا ہے، اس کے متعلق نہ تو معلومات حاصل کرتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرتا ہے اس کا بھی دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ۳/ آل عمران: ۲۸۔ [2] ۵/ المائدۃ: ۵۱۔

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴾ [1]

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے پروردگار کی نشانیاں یاد دلائی جائیں پھر وہ ان سے منہ پھیرے رکھے۔ یقیناً ہم مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے۔''

آج ہماری اکثریت کا یہی حال ہے کہ دینی تعلیم کی طرف کوئی رغبت نہیں، پھر جو حضرات اسے حاصل کرتے ہیں ان کے پیش نظر بھی دنیا کے مفادات ہیں، الا ماشاء اللہ۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جن مجرمین کا ذکر کیا ہے اس سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیات سے اعراض کرتے ہیں اور اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں گویا وہ انہیں پہچانتے نہیں۔ ایسے جرم پیشہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ ضرور انتقام لیں گے۔

☆ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ کچھ لوگوں کو دین اسلام سے باہر رہنے کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت خضر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے باہر رہنے کی اجازت تھی۔ وہ بھی دین اسلام سے خارج ہے جیسا کہ ہمارے ہاں بعض صوفیا طریقت و معرفت کی آڑ میں ایسا کرتے ہیں، اور وہ دلیل کے طور پر حضرت خضر کا واقعہ پیش کرتے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک اور تمام لوگوں کے لیے ہے اس لیے یہاں یہ کہنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کی اتباع نہ کرے، اس بنا پر شریعت محمدیہ میں خضریوں کا وجود قطعی طور پر ناممکن ہے۔

☆ جس شخص نے جادو کیا یا اسے پسند کیا، وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ ﴾ [2]

---

[1] ۳۲/ السجدۃ: ۲۲۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۰۲۔

"(ہاروت و ماروت) دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو ذریعہ آزمائش ہیں تم کفر میں نہ پڑو۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سحر یعنی جادو کرنا کفر ہے کیونکہ اس کے ذریعے کوئی اچھا کام نہیں ہوتا بلکہ یہ خرابی اور فساد کی بنیاد ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سٰحِرٍ ﴾ [1]

"ساحر سے کہیں بھی بھلائی کا کام نہیں ہوتا۔"

ان تمام نواقض اسلام کے متعلق ایک مسلمان آدمی کو آگاہ رہنا چاہیے۔

جو شخص بھی ان کا ارتکاب کرے گا خواہ مذاق کے طور کرے یا سنجیدہ ہو کر انہیں عمل میں لائے۔ ان سب کا ایک ہی حکم ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، ہاں جو شخص لاچار ہو اور اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی جائے تو اسے کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کے دل میں دین اسلام کے متعلق اطمینان ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [2]

"جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، مگر جس نے برضا و رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہیں کے لیے بہت عظیم عذاب ہے۔"

مگر یہ صرف رخصت ہے ایسا کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ صحابہ کرام میں سے بعض عزیمت کے ایسے پہاڑ تھے کہ انہوں نے اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروا لینا گوارا کر لیا مگر کفر کا کلمہ نہیں کہا۔

بہر حال نواقض اسلام بڑی خطرناک اشیا ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان سے اجتناب کرے اور ایسے معاملہ میں ان سے احتیاط کرے تا کہ ہمیں قیامت کے دن ندامت اور شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

---

[1] ۲۰/ طٰہٰ: ۶۹۔ [2] ۱۶/ النحل: ۱۰۶۔

اسلام اور فتنہ تکفیر

مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھے اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے احکام اور خبریں دی ہیں ان کی صداقت وحقانیت پر یقین رکھے۔ زبان سے شہادتین کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو ثابت کرنے کے لیے نماز پڑھے۔ رمضان کے روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرے، ایسے مومن سے دوستی رکھنا واجب اور دشمنی کرنا حرام ہے، ان اوصاف کا حامل وہ سچا مسلمان ہے جو ہر دوسرے مسلمان کا ایمانی بھائی، اس کا مال، عزت و آبرو اور جان دوسرے پر حرام ہے، درج ذیل احادیث میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں تا آنکہ وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں، نیز مجھ پر اور جو ہدایات لے کر آیا ہوں ان پر ایمان لے آئیں، جب وہ ایسا کرلیں گے تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا۔ ہاں! اسلام کا حق ان سے وصول کیا جائے گا پھر ان کا حساب اللہ کے سپرد ہوگا۔" [1]

دیگر روایات میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے، ان ارکان کا ذکر بطور تمثیل ہے کیونکہ ان احادیث سے مراد اللہ کے دین پر ایمان لانا اور دعوت اسلام کو قبول کرلینا ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں تا آنکہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں جب وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں، ہماری طرح نماز پڑھنے لگیں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے حق اسلام کے پھر ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" [2]

---

[1] صحیح مسلم، الایمان: ۱۳۰۔ [2] صحیح بخاری، الصلوۃ: ۳۹۲۔

چونکہ اس وقت ایمان واسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق نماز پڑھنے لگے، نماز پڑھتے وقت کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے اجتناب نہ کرے بلکہ کسی قسم کی جھجک کے بغیر اسے کھانے لگے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا بلکہ بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی بجا آوری پر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے۔ [1]

دراصل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جب دعوت اسلام بڑی قوت اور تیزی سے بڑھتی جارہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آنے لگے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات وواقعات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر دل سے اسلام اختیار نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا خاص تعلق اس قسم کے لوگوں سے ہے، آپ کا مقصد صحابہ کرام کو یہ بتلانا تھا کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی واضح علامات دیکھو کہ وہ اسلامی طریقہ کے مطابق نماز پڑھتا ہے اور نماز ادا کرتے وقت قبلہ مسلمین کی طرف ہی رخ کرتا ہے اور اہل اسلام کے ذبیحہ سے نفرت نہیں کرتا بلکہ بلا حجاب اسے کھالیتا ہے تو اسے مسلمان خیال کرو، اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو، خواہ مخواہ اس بدگمانی میں نہ پڑو کہ اس کے دل میں اسلام نہیں بلکہ اس نے منافقانہ طور پر اسلامی شعائر کو اختیار کرلیا ہے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں یعنی نماز پڑھنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا وہ مسلمان ہے خواہ وہ کیسے ہی سنگین قسم کے خلاف اسلام عقائد ونظریات رکھے اور گھناؤنے کافرانہ اور مشرکانہ اعمال کرے، اس قسم کے لوگوں کا ان احادیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور سرسری علامات ہی کا نام ہے، ایمان واعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت نہیں، اسلام کے متعلق اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی اور کیا ہوسکتی ہے،

[1] صحیح بخاری، الصلوٰۃ: ۳۹۳۔

ہاں! اس حقیقت سے تو انکار نہیں کہ کسی مسلمان کو گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیا جا سکتا جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین باتیں اصول اسلام میں داخل ہیں ایک یہ کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کے بارے میں زبان کو روکا جائے یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی بدعملی کی وجہ سے اسے خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے، دوسری چیز جہاد ہے وہ اس وقت سے جاری ہے جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور آخری زمانہ تک جاری رہے گا جب کہ اس امت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا، کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اسے ختم نہیں کرے گا اور تیسری چیز تقدیر پر ایمان لانا ہے۔'' [1]

اس حدیث میں کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے ''کلمہ گو'' کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے تنبیہ فرمائی ہے جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے، وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بنا پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دے دیتے تھے، اس کے برعکس اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبوی کے مطابق یہ ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بدعملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور کافر نہیں ہو جاتا، البتہ ایسے لوگوں کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان واسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

[1] ابو داود، الجهاد: ۲۵ /۳۲۔

کفر اور تکفیر

قبل ازیں ہم نے بیان کیا تھا کہ مومن وہ ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو پھر انہوں نے جو تعلیمات و احکام دیئے ہیں ان کی صداقت و حقانیت پر یقین رکھتا ہو اور اپنے نفس کو ان کی بجا آوری میں ہر وقت تیار رکھے، اپنی زبان سے شہادتین کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو سچا ثابت کرنے کے لیے نماز پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرے اور حج بیت اللہ بجالائے۔ یہ مسلمان ہر دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس کی عزت و آبرو اور خون و مال دوسروں پر حرام ہے اور اسے ایمان و اسلام سے کوئی چیز خارج نہیں کرتی الا یہ کہ وہ:

ا۔ جن چیزوں پر ایمان لایا ان تمام کی یا ان میں سے کسی ایک کی واضح تکذیب کر دے۔

ب۔ جس چیز کا اللہ یا اس کے رسول نے حکم دیا اس کا انکار کر دے۔

ج۔ جن چیزوں سے اسے منع کیا گیا ہے ان میں سے کسی کا منکر ہو جائے۔

د۔ دینی معاملات کے متعلق مذاق و استہزا کا کوئی پہلو اس کے قول و فعل سے ثابت ہو جائے۔

اب ہم کفر کے متعلق اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں کہ کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے، اس لغوی معنی کی بنا پر کاشت کار کو بھی کافر کہا جاتا ہے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ﴾ [1]

”دنیاوی رنگینی کی مثال اس بارش جیسی ہے جس کی نباتات کاشتکاروں کے لیے خوشی کا باعث ہیں۔“

شرعی اصطلاح میں کفران نعمت کا یہ مطلب ہے کہ نعمت پر پردہ ڈالنا اور اس کا انکار کرنا، اس بنا پر حق سے کفر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس پر پردہ ڈالتے ہوئے اس کا انکار کر دیا جائے اور اسے جھٹلا دیا جائے۔ شرعی طور پر کفر کی دو اقسام ہیں: کفر اکبر اور کفر اصغر، محدثین

[1] ۵۷/ الحدید: ۲۰۔

کرام نے کفر کی ان اقسام کو "کفر دون کفر" سے تعبیر کیا ہے، کفر اکبر سے مراد ایسا کفر ہے جو ایمان کے مخالف اور اسلام کے منافی ہو، اس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے لیکن خروج اسلام کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو اس حالت میں موت آجائے اور موت سے قبل اس نے توبہ نہ کی ہو، اگر کفر اکبر کے ارتکاب کے بعد موت سے پہلے اس نے توبہ کر لی تو اس کے لیے دخول جنت کی توقع کی جا سکتی ہے، بصورت دیگر وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، کیونکہ ارتکاب کفر کے باعث وہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ اس کفر اکبر سے کمتر درجہ کفر اصغر کا ہے، اس سے مراد ایسے گناہ ہیں جن پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اور ان کے ارتکاب پر ایک مسلمان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا، واضح رہے کہ کسی گناہ کو کفر سے منسوب کرنا، اس کی سنگینی کو دوسرے گناہوں سے بڑھا دیتا ہے، اس سے مراد ایسے گناہ ہیں جو آخرت میں عذاب وسزا کا باعث ہوں گے اگر اس کا مرتکب موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اپنے گناہوں کی سزا پانے تک جہنم میں رہے گا، اس کے بعد نجات کی امید کی جا سکتی ہے اگر اللہ چاہے تو سزا سے قبل اسے معاف کر دے، لیکن کفر اکبر نا قابل معافی جرم ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [1]

"اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ دیگر گناہوں سے درگزر فرمالے گا۔"

کفر اکبر سے پہلے ہم کفر اصغر کے متعلق بیان کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

☆ مسلمان سے جنگ کرنا، رسول اللہ ﷺ نے اس جرم پر کفر کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑائی کفر ہے۔" [2]

ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد تم بایں طور کافر نہ بن

[1] ٤/ النساء: ١١٦۔ [2] صحیح بخاری، الادب: ٦٠٤٤۔

جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' ❶

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی باہمی جنگ کفر ہے لیکن یہ ایسا کفر نہیں ہے کہ انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دے کیونکہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے باہمی جنگ وجدال کرنے والوں کو مسلمان کہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ﴾ ❷

''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا اس جرم پر کفر کا لفظ بولنا اس کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے ہے اور اس سے مراد کفر اصغر ہے۔

☆ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کی قسم اٹھانا، رسول اللہ ﷺ نے اس جرم پر بھی کفر کا اطلاق کیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ''جس شخص نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم اٹھائی تو اس نے شرک کیا یا اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔'' ❸

علمائے اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس کفر وشرک سے مراد بھی کبیرہ گناہ ہے اور اس کا مرتکب دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

☆ کسی جج یا حاکم کا اللہ کے نازل کردہ احکامات کے علاوہ فیصلہ کرنا، اس پر بھی کفر کا لفظ بولا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ❹

''جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکامات کے علاوہ فیصلہ کرتا ہے، پس یہی لوگ کافر ہیں۔''

اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایسا کفر نہیں ہے جو اسلام سے خارج کرتا ہے۔ ❺

---

❶ صحیح بخاری، الحج: ۱۷۳۹۔ ❷ ۴۹/ الحجرات: ۹۔
❸ مسند امام احمد، ص: ۱۴۵، ج ۲۔ ❹ ۵/ المائدۃ: ۴۴۔
❺ مستدرك حاكم، ص: ۳۱۳ ج ۲۔

لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھے، آخرت پر اسے پختہ یقین ہو اور وحی الٰہی کو قبول کرنے والا ہو، اگر یہ شرائط پائی جائیں تو ایسا حاکم ملت اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

☆ کاہن اور نجومی کے پاس آنا اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی اخبار غیب کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس آتا ہے اور اس کی خبر کو سچا کہتا ہے تو اس نے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی تعلیمات کا انکار کیا۔'' [1]

اہل سنت کے علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ کفر بھی کفر اصغر کی قبیل سے ہے۔

☆ کسی مسلمان کا اپنے بھائی کو کافر کہہ دینا یا اسے ''کافر'' کہہ کر آواز دینا بھی کفر ہے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی شخص اپنے بھائی کو ''اے کافر'' کہہ کر بلاتا ہے تو یہ کفر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹتا ہے۔'' [2]

اگر کہنے والا سچا ہے تو مخاطب کافر ہوا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو خود اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ یہ بھی کفر اصغر ہے اور کہنے والا اس کلمہ سے دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جرم پر کفر کا اطلاق اس لیے کیا ہے، تاکہ اس کی سنگینی سے لوگوں کو مطلع کیا جائے کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

☆ حائضہ عورت سے جماع کرنا یا کسی عورت سے بدفعلی کرنا بھی کفر کا درجہ رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جو شخص حائضہ عورت پر داخل ہوا یا عورت کو اس کی دبر سے آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ پر جو تعلیمات نازل ہوئیں ہیں ان کی نفی کر ڈالی۔'' [3]

☆ احسان فراموشی پر بھی کفر کا لفظ بولا گیا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ یہ کفر، کفر باللہ نہیں ہے بلکہ کفران نعمت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسند امام احمد، ص: ۴۲۹، ج۲۔ [2] صحیح بخاری، الادب: ۶۱۰۳۔

[3] مسند امام احمد، ص: ۴۷۶ ج۲۔

''میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس میں اکثریت عورتوں کی تھی جو کفر کا ارتکاب کرتی تھیں، فرمایا نہیں بلکہ وہ خاوند اور اس کے احسانات کا انکار کرتی تھی، اگر تو اپنی بیوی کے ساتھ لمبی مدت تک اچھا برتاؤ کرے اگر ایک دن بھی تنگی آجائے فوراً کہہ دیتی ہے کہ میں نے تیری طرف سے کبھی خیر و برکت نہیں دیکھی ہے۔'' ❶

اس حدیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بایں طور پر عنوان قائم کیا ہے۔

''خاوند کی ناشکری کرنا اور کفر کی کئی ایک اقسام ہیں۔''

☆ کسی کو حقارت سے خاندانی عار دلانا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت کی یادگار قرار دیا ہے لیکن اس کے ارتکاب سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں مندرجہ ذیل عنوان قائم کرتے ہوئے ''بعض گناہ دور جاہلیت کا بقایا ہیں لیکن ان کے ارتکاب سے انسان کافر نہیں ہوتا صرف شرک ایسی چیز ہے جس کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔''

اس عنوان کے تحت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو گالی دی اور اسے اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ایسا آدمی ہے کہ تیرے اندر دور جاہلیت کی خو بو باقی ہے۔'' ❷ کفر اصغر کی متعدد صورتیں احادیث میں بیان ہوئی ہیں، اس طرح شرک کے متعلق بھی تقسیم ہے کہ بعض گناہوں پر شرک اصغر کا اطلاق ہوا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کے متعلق فرمایا:

''ریاکاری سے خبردار رہو کیونکہ یہ شرک اصغر ہے۔'' ❸

شرک کی یہ تقسیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، فرمایا: ''مجھے شرک اصغر کا زیادہ خطرہ ہے۔'' صحابہ کے سوال کرنے پر آپ نے وضاحت فرمائی: ''اس سے مراد ریاکاری اور نمائش ہے۔'' ❹

❶ صحیح بخاری، الایمان: ۲۹۔ ❷ صحیح بخاری، الایمان: ۳۰۔
❸ مسند امام احمد، ص: ۴۲۸، ج ۵۔ ❹ مسند امام احمد، ص: ۴۲۹، ج: ۵۔

اب ہم اس کفر کی تفصیل بیان کرتے ہیں جس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس قسم کے کفر کی تین اقسام ہیں:

1. کفر اعتقاد
2. کفر گفتار
3. کفر کردار

کفر اعتقاد کی پانچ انواع حسب ذیل ہیں:

☆ کفر تکذیب: انسان یہ عقیدہ رکھے کہ حضرات انبیا علیہم السلام نعوذ باللہ جھوٹ بولتے ہیں۔

☆ کفر استکبار: تکبر و غرور کی وجہ سے حق کا انکار کر دینا جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر ہے۔

☆ کفر اعراض: حضرات انبیا علیہم السلام کو کوئی اہمیت نہ دینا یعنی ان کی تصدیق یا تکذیب نہ کی جائے بلکہ ان کی بات تک سننا گوارا نہ کی جائے۔

☆ کفر نفاق: زبان سے ایمان ظاہر کرنا لیکن دل میں کفر چھپائے رکھنا جیسا کہ دور نبوت میں پائے جانے والے منافقین کا کفر تھا۔

☆ کفر شک: حضرات انبیا علیہم السلام اور ان کی تعلیمات کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کرنا۔

کفر کی انواع

دین اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تسلیم ورضا اوراذعان ویقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کرے، لا الہ الا اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت وحاکمیت اوراس کے اسماء وصفات میں کسی غیر کو شریک نہ کرے نیز عبادت کرتے وقت غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کرے، محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے جو احکام لے کر آئے ہیں یا جن غیبی امور کی آپ نے خبر دی ہے انہیں من جانب اللہ تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی عزت وتوقیر، امانت ودیانت، عفت وعصمت اور دیگر صفات نبوت کا تہہ دل سے اقرار کرے۔ اس قسم کے عہد وپیمان کے بعد اسلام سے خارج ہونے کی صرف یہی صورت ہوگی کہ وہ کھلے بندوں توحید ورسالت اوراس کے تقاضوں سے منکر ہو جائے اور جس دروازے سے اسلام میں داخل ہوا تھا اس سے واپس باہر چلا جائے یا اس کے کسی قول واقرار اور عمل وکردار سے معلوم ہو کہ اس نے اپنے توحید ورسالت کے اقرار کو ختم کر دیا ہے پھر اگر اس کا قول وکردار، اس کی نیت واعتقاد کے عین مطابق ہوا تو وہ دنیوی اور اخروی لحاظ سے کافر شمار ہوگا اوراس کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا نیز ارتداد سے توبہ کی تلقین کی جائے گی اگر وہ توبہ کرنے کے بجائے انکار پر مصر رہا تو اسلامی حکومت اسے قتل کرنے میں حق بجانب ہو گی اور اخروی لحاظ سے وہ دوسرے کافروں کی طرح ہمیشہ کے لیے جہنم کا سزاوار ہوگا۔

اس تمہید سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے خارج ہونے کی متعدد صورتیں ہیں جنہیں چار انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1. اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وخالقیت کا انکار یا اس میں طعن کا ارتکاب کرنا۔
2. الوہیت وعبادت اور حاکمیت سے نفرت اور اظہار براءت کرنا۔

3. اللہ تعالیٰ کے بہترین ناموں اور اس کی پاکیزہ صفات پر حرف گیری کرنا۔
4. رسالت کا انکار اور صاحب رسالت کے متعلق طعن و تشنیع کرنا۔

ان چاروں انواع میں متعدد قولی، عملی اور اعتقادی صورتیں شامل ہیں، لیکن ان تمام کے پس منظر میں صرف ایک ہی بات کارفرما ہے کہ اس نے توحید و رسالت کے اقرار کو ختم کر دیا ہے۔ اب ہم اسے ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

توحید کی پہلی قسم یہ ہے کہ صدق دل سے اس بات کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے، ہر چیز کا تدبیر کنندہ اور اس پر تصرف کرنے والا ہے، اس تصرف میں اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ہی اس کے فیصلے کو کوئی رد کرنے والا ہے، اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں، اس کی ضد یہ ہے کہ اس کی ربوبیت سے انکار کرتے ہوئے کسی دوسرے کو متصرف خیال کیا جائے یا کائنات کے نظم و نسق، موت و حیات، جلب منفعت، دفع مضرت اور ربوبیت کے دیگر لوازمات میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے۔ یعنی ہر وہ بات، عمل یا عقیدہ جس میں ان خصائص ربانیہ کا انکار پایا جائے اسے کفر وارتداد سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس میں اللہ کے خالق ہونے کا انکار، اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کے قدیم ہونے کا اقرار یا خلق و تدبیر کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا شامل ہے، اسی طرح اگر کوئی ان صفات ربانیہ کا دعوے دار ہے تو اسے بھی کفر سے تعبیر کیا جائے گا۔ جیسا کہ فرعون نے کہا تھا:

﴿ أَنَا۠ رَبُّكُمُ ٱلْأَعْلَىٰ ﴾ [1]

''میں ہی تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔''

توحید کی دوسری قسم یہ ہے کہ دل کی گہرائی سے اقرار کرنا کہ تمام عبادات ظاہرہ، باطنہ، قولیہ اور عملیہ کے لائق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اللہ کی عبادت کے علاوہ ہر قسم کی عبادت سے انکار کرنا اسے توحید الوہیت کہتے ہیں۔ مشرکین مکہ نے توحید الوہیت ہی کا انکار کیا وہ توحید ربوبیت کے قائل تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّمَنِ ٱلْأَرْضُ وَمَن فِيهَآ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ

---

[1] ۷۹/ نازعات: ۲٤۔

﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ ❶

"آپ ان سے پوچھیے کہ اگر تمہیں کچھ علم ہے تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے؟ وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، آپ کہہ دیں پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے ہو۔"

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ ❷

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے جو غالب اور جاننے والا ہے۔"

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾ ❸

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خود انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، پھر انہیں کہاں سے دھوکا لگتا ہے۔"

اس توحید کی ضد یہ ہے کہ بندہ کا کسی غیر اللہ کو رب العالمین کے برابر قرار دینا، اس غیر سے ویسی محبت کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے، اس غیر سے اس طرح ڈرنا جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے، اس غیر سے التجا کرنا، اسے پکارنا، اسی پر توکل کرنا، اللہ کی مرضی کو ٹھکرا کر اس غیر کی اتباع کرنا، یہ شرک اکبر ہے جس کے ارتکاب سے بندہ دین اسلام سے کلی طور پر خارج ہو جاتا ہے خواہ وہ اپنے شرک کا اعلان کر دے جیسا کہ کفار مکہ نے کیا تھا یا وہ شرک کو اپنے اندر چھپائے رکھے جیسا کہ منافقین مدینہ نے چھپایا تھا۔ ہمارے اکثر لوگ اسی شرک کے مرتکب ہیں، ان کی اکثریت وجود باری کی قائل ہے، ربوبیت کو مانتے ہیں لیکن اسے معبود برحق تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں، جب یہ لوگ توحید الوہیت کے منکر ہیں تو ربوبیت کے اقرار کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ کلمہ کے پہلے جزو یعنی "لا الہ الا اللہ" کے دو چیزیں منافی ہیں اور اس کی حیثیت کو ختم کر دیتی ہیں:

---

❶ ٢٣/ المؤمنون: ٨٤، ٨٥۔ ❷ ٤٣/ الزخرف: ٩۔ ❸ ٤٣/ الزخرف: ٨٧۔

(أ) خالق و مالک کے اس استحقاق کی نفی کردی جائے کہ وہ اکیلا ہی ہر قسم کی عبادت کا سزا وار ہے۔

(ب) یہ استحقاق کسی غیر اللہ کے لیے ثابت کیا جائے جس کا تعلق اللہ کی مخلوق سے ہے۔

اس بنا پر وہ قول، فعل اور اعتقاد جو ان دونوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہو اس کا مرتکب کفر اور ارتداد میں داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ عبادت تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ غیر اللہ قطعی طور پر اس کا حق دار نہیں ہے۔ عبادت سے مراد انتہائی خضوع وخشوع اور اطاعت وانقیاد ہے، اس میں محبت، خشیت، استعانت، دعا، توکل، رجا، رکوع، سجود، صوم، نذر، ذبح اور طواف وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں، اگر ان میں سے کسی ایک کو غیر اللہ کے لیے کیا گیا تو کلمہ توحید کے منافی ہے۔ واضح رہے کہ وہ خشیت واستعانت اور خوف ورجا مراد ہے جس پر اللہ کے علاوہ اور کوئی قدرت نہیں رکھتا، اگر ان میں سے کوئی چیز انسان کے بس میں ہے تو اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ مثلاً:

کسی حاکم سے ڈرنا، جو اسے قید وبند یا مارنے کی دھمکی دیتا ہے، یا اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کسی سے تعاون لیتا ہے، یا اس سے کوئی امید وابستہ کرتا ہے، کہ حتی المقدور اس کی مدد کرے گا، یہ چیزیں اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کریں گی۔

توحید کی تیسری قسم اسماء وصفات ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خود کو جن صفات سے متصف کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے جن اسماء اور صفات عالیہ کا تذکرہ کیا ہے، ان پر بایں طور پر ایمان لانا کہ انہیں بلا تاویل وتمثیل اور بلا تکییف وتشبیہ تسلیم کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ﴾ [1]

”اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، انھی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔“

---

[1] ۷/ الاعراف: ۱۸۰۔

اس توحید کی ضد یہ ہے کہ اس کے ناموں اور صفات میں کج روی اختیار کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا جائے، اس الحاد وانکار کی تین اقسام ہیں:

❶ اللہ کے نام یا اس کی صفات کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ مشرکین مکہ نے اللہ کے نام اپنے بتوں کے لیے مخصوص کر رکھے تھے اور ان میں کمی وبیشی کا ارتکاب کیا تھا جیسا کہ اللہ سے لات، العزیز سے العزیٰ اور المنان سے منات وغیرہ۔

❷ الحاد وانکار کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کو بیان کیا جائے اور مخلوق کی صفات سے انہیں تشبیہ دی جائے جیسا کہ کرسی یا عرش سے مراد اس کی حکومت لی جائے۔

❸ اس کی تیسری قسم یہ ہے کہ سرے سے انکار کر دیا جائے۔ اس کی دو انواع ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء کا اثبات کرتے ہیں لیکن صفات کمال سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے لیکن رحمت کے بغیر، علیم وقدیر ہے لیکن علم وقدرت کے بغیر۔

② کلی طور پر اس کے ناموں اور صفات کا انکار کرتے ہیں، یعنی اللہ کا کوئی نام یا صفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی ہفوات سے پاک ہے۔ واضح رہے کہ توحید کی یہ تینوں اقسام باہمی طور پر اس طرح لازم وملزوم ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک نوع میں شرک کیا جائے گا تو اس کا مرتکب دوسری انواع میں بھی مشرک ہوگا۔ العیاذ باللہ

نواقض اسلام کی چوتھی قسم ہر وہ قول وعمل اور عقیدہ ہے جو رسالت اور صاحب رسالت کے متعلق طعن وتشنیع پر مشتمل ہو کیونکہ اس سے کلمہ توحید کا دوسرا جزو ''محمد رسول اللہ'' مجروح ہوتا ہے اس جزو کا معنی یہ ہے کہ تسلیم ورضا کے ساتھ دل کی گہرائی سے اس بات کا اقرار کیا جائے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور تمام جن وانس کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نیز اس جزو کا تقاضا ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تمام چیزوں کو دل وجان سے تسلیم کیا جائے خواہ وہ ماضی کی اخبار ہوں یا مستقبل کے حوادث وواقعات، آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کرنا اور آپ کے فیصلوں پر راضی رہنا بھی اس میں شامل ہے، اس سلسلے میں یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے اور آپ کی

نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت تک اپنے پاس نہیں بلایا جب تک آپ نے اپنی امت کو اس روشن راستہ پر نہیں لگا دیا جس کی رات بھی دن کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس وصف سے متصف فرمایا جو ادائے رسالت اور تبلیغ دین کے لیے ضروری تھا۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ دو کاموں سے کلمہ توحید کے دوسرے جزو کی گواہی کالعدم ہو سکتی ہے:

1. رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو ہدف تنقید بنانا۔
2. آپ کی لائی ہوئی شریعت کے کسی حصے کا انکار کر دینا یا اس پر طعن کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کو ہدف تنقید بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے صدق و امانت اور عفت و عصمت کے متعلق حرف گیری کرنا یا آپ کی ذات عالی صفات کے ساتھ کسی پہلو سے استہزا و تمسخر کرنا یا آپ کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا، یعنی آپ کی ذات پر کسی بھی پہلو سے اعتراض کرنا اس میں شامل ہے۔

دوسری قسم میں ہر چیز کا انکار شامل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے مثلاً: قیامت کے دن، حساب و کتاب، میزان و صراط اور جنت و دوزخ وغیرہ جن کا تعلق امور مغیبات سے ہے۔ اسی طرح قرآن کریم یا احادیث نبویہ کا انکار کرنا، فرضیت نماز کو نہ ماننا، ادائیگی زکوٰۃ کو تسلیم نہ کرنا، چوری اور زنا کی حرمت سے انکار کرنا وغیرہ تمام امور اسی قسم میں شامل ہیں۔ اس مقام پر یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ان امور دین کا انکار کفر کا باعث ہوگا جو عام اور مشہور ہیں اور جن پر امت کا اجماع ہے جیسے پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، غسل جنابت، حرمت زنا وغیرہ، ہاں اگر کسی نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، اسے دینی معاملات سے آگاہی نہیں ہے اگر وہ جہالت کی وجہ سے ان باتوں کا انکار کرتا ہے تو معذور خیال کیا جائے گا۔ اسی طرح شریعت کے وہ کام جو مشہور نہیں ہیں جنہیں خاص علما کے علاوہ دوسرے نہیں جانتے یا جن کا تعلق اجتہاد سے ہے، یا جن پر امت کا اجماع نہیں ہے، ان کا انکار بھی کفر کا باعث نہیں ہوگا۔

تکفیر کے اسباب

نواقض اسلام کی ان چار اقسام کو بیان کرنے کے بعد ہم ان اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں جو کفر کا باعث ہیں، تاکہ ہم ان سے احتیاط کریں مبادا ہم ان میں گرفتار ہو جائیں:

☆ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا۔

☆ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو واسطہ دے کر پکارنا اور اس سے سفارش طلب کرنا۔

☆ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کا ذبح کرنا اور اس کے لیے نذر و نیاز دینا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یا وحدانیت کا انکار کرنا۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں بلکہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔

☆ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو عبادت کے طور پر سجدہ کرنا۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ وقوع حوادث سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں ہوتا۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ موجودہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں۔

☆ قرآن مجید یا کتب حدیث کو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینکنا۔

☆ آخرت اور اس میں ہونے والے واقعات سے انکار کرنا۔

☆ جنت اور جہنم کے دائمی ہونے کے متعلق شک کا اظہار کرنا۔

☆ انبیا علیہم السلام کی بشریت سے انکار کرنا۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ اللہ کے ذاتی نور کا ایک جزو ہیں۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی نہیں ہیں بلکہ آپ کے بعد بھی کوئی دوسرا نبی آسکتا ہے۔

☆ فرشتوں یا جنوں کا انکار کرنا یا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہنا اور امہات المومنین میں سے کسی کی توہین کرنا۔

☆ محرمات کو حلال سمجھتے ہوئے ان کا ارتکاب کرنا مثلاً: شراب کو حلال سمجھتے ہوئے اسے

نوش کرنا۔

☆ منہیات کے ارتکاب پر فخر ومباحات کرنا۔

☆ اسلام اور اہل اسلام سے بغض وعداوت رکھنا۔

☆ شرک اور اہل شرک سے محبت رکھنا۔

☆ مسلمانوں کے خلاف کفار اور مشرکین کی مدد کرنا۔

☆ اللہ کے دین سے بایں طور روگردانی کرنا کہ اس کے متعلق معلومات نہ حاصل کی جائیں اور نہ ہی ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ اسلامی نظام موجودہ دور کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا لہٰذا خود ساختہ قوانین دین اسلام سے بہتر ہیں۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ اور موجودہ دور میں نامناسب ہیں۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی دوسرے کی ہدایات زیادہ کامل اور بہتر ہیں۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے انکار کرنا اور ان سے بغض رکھنا۔

☆ دین اسلام کی کسی چیز کا مذاق اڑانا اور اس سے استہزا کرنا۔

☆ کفار ومشرکین کے کفر وشرک میں شک کرنا اور ان کے طرز زندگی اور طریق کار سے اتفاق کرنا۔

☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ اس امت کے بعض افراد ایسے ہیں جنہیں شریعت کی پابندی کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ان کے ذمے ہے۔

☆ جادو، ٹونا کرنا اور اس پر یقین رکھنا کہ یہ ذاتی طور پر کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ اعتقادی کفر کی پانچ اقسام ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یاددہانی کے طور پر انہیں ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ کفر تکذیب: انسان یہ عقیدہ رکھے کہ حضرات انبیا علیہم السلام جھوٹ بولتے ہیں۔

☆ کفر استکبار: تکبر وغرور کرتے ہوئے اللہ کے حکم کو ٹھکرا دینا جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر

ہے۔

☆ کفر اعراض: حضرات انبیا علیہم السلام کو کسی قسم کی اہمیت نہ دی جائے یعنی ان کی بات کو سنی ان سنی کر دیا جائے۔

☆ کفر نفاق: زبان سے ایمان ظاہر کرنا لیکن دل میں کفر کو چھپائے رکھنا۔

☆ کفر شک: حضرات انبیا علیہم السلام کی ذات وصفات کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کرنا۔

یہ کفر کے اسباب ہیں جو شخص ان تمام باتوں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو وہ بلا شبہ کافر ہے لیکن معین طور پر کسی کو کافر قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کوئی مانع نہ پایا جائے کیونکہ موانع کی موجودگی میں کسی کو معین طور پر کافر قرار دینا شرعاً درست نہیں۔

تکفیر کے موانع

دنیا کا بیشتر نظام اسباب ووسائل پر قائم ہے اسی طرح شرعی احکام کے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وراثت کی تقسیم ایک شرعی حکم ہے لیکن اس کے اجرا کا سبب مورث کا فوت ہونا ہے لیکن بعض اوقات کسی حکم کا سبب موجود ہوتا ہے لیکن اس حکم کا اجرا کسی رکاوٹ کی بنا پر نہیں ہو سکتا اس رکاوٹ کو شرعی اصطلاح میں مانع کہتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ مثال میں مورث کی وفات کے بعد بیٹے کو وراثت ملنا چاہیے لیکن بدقسمتی سے اس نے مورث کو قتل کیا ہے تو اس کا قتل کرنا اس کے حق میں ایک مانع کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے وہ وراثت سے محروم ہوگا، اس مختصر تمہید کے بعد ہم نے گزشتہ تکفیر کے کچھ اسباب بیان کیے تھے جن کی بنا پر انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے، اب ہم موانع کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو اسباب کفر کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ ﴾ [1]

''اہل ایمان کو چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کوئی واسطہ نہیں الا یہ کہ تمہیں ان کافروں سے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا طرز عمل اختیار کرنا پڑے۔''

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے خطاب ہے یعنی کوئی مومن کسی کافر کو دوست نہ بنائے اور اہل ایمان کی جماعت اہل کفر کی جماعت سے دوستی نہ رکھے اور مومنوں کی حکومت، کافروں کی حکومت کو اپنا دوست نہ بنائے کیونکہ کافر کبھی مومن کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا، جب بھی اسے موقع ملے گا وہ نقصان ہی پہنچائے گا، اس قسم کی دوستی رکھنے سے انسان اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ گویا کفر اور اہل کفر سے دوستی رکھنا، اسلام سے نکل جانے کا ایک سبب ہے لیکن آیت کریمہ

[1] ۳/ آل عمران: ۲۸۔

میں ایک استثنائی صورت بھی بیان ہوئی ہے جو ایسے حالات میں کسی کو کافر قرار دینے کے لیے رکاوٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر بے تعلق رہنے سے کسی کافر سے کچھ خطرہ ہو تو ظاہر داری اور مدارات کے طور پر اس سے دوستی رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [1]

''جس شخص نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ (تو معاف ہے) مگر جس نے برضا و رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اس آیت کریمہ میں بھی ایمان لانے کے بعد کلمہ کفر کہنے یا کفریہ کام کرنے پر اسے اللہ کے غضب کا حق دار اور عذاب عظیم کا سزاوار قرار دیا گیا ہے لیکن اس میں بھی ایک استثنائی صورت ہے کہ اگر کوئی مسلمان، اہل کفر کی سختیوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر یا جان کے خطرہ کے وقت منہ سے کلمہ کفر کہہ دے یا کفریہ کام کر لے تو اسے اجازت ہے، بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو۔ لیکن جو لوگ اسلام لانے کے بعد پیش آمدہ مصائب سے گھبرا کر اپنی سابقہ کفر کی آرام طلبی کو ترجیح دیں اور کسی قسم کا دنیوی نقصان برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوں اور ان کے دلوں سے ایمان کی محبت ختم ہو جائے تو ایسے لوگ معافی کے حق دار نہیں بلکہ فی الواقع عذاب عظیم کے مستحق ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اسباب تکفیر کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے جسے ہم مانع سے تعبیر کرتے ہیں جس کی جمع موانع ہے، کسی کو اسباب کفر کے باوجود کافر قرار دینے کے لیے متعدد موانع ہیں جن میں

[1] ١٦/ النحل، ١٠٦۔

ایک اکراہ اور دوسرا تقیہ ہے جن کا درج بالا آیات میں ذکر ہوا ہے، اس اکراہ سے مراد صرف خوف اور ڈر نہیں بلکہ ایسی مجبوری ہے جس سے انسان بے بس ہو جائے، فقہا نے اکراہ کی تعریف بایں الفاظ کی ہے: ''کسی شخص کا وہ قول یا فعل جو دوسرے شخص کو اس کی خواہش کے خلاف اس فعل کے کرنے پر مجبور کر دے۔''

اس اکراہ کی دو بڑی اقسام ہیں: اکراہ تام اور اکراہ ناقص۔

☆ اکراہ تام: جس میں انسان اس حد تک مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی رضا معدوم اور اختیار سلب ہو جاتا ہے جسے ہم بے بس اور لاچارگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً: قتل یا جسم کے کسی عضو کو ضائع کرنے کی دھمکی یا ایسی مار کی دھمکی جس سے جان جانے کا اندیشہ ہو۔

☆ اکراہ ناقص: جس میں انسان صرف اس حد تک مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی رضا تو معدوم ہو جائے لیکن اس کا اختیار سلب ہونے کے بجائے فاسد ہو جائے۔ مثلاً: ایسی دھمکی دی گئی ہو جس سے جان جانے یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔

پھر اس اکراہ کی کچھ شرائط ہیں ان میں چند ایک کا تعلق مجبور کرنے والے شخص سے ہے اور کچھ شرائط کا تعلق اس شخص سے ہے جسے مجبور کیا جا رہا ہے چنانچہ مجبور کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی اس نے دھمکی دی ہے جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے اسے اس امر کا یقین ہو کہ دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کے مطابق عمل کر گزرے گا بصورت دیگر شرعاً اکراہ ثابت نہ ہو گا ہاں فعل کی نوعیت اگر ایسی ہو جس میں یقین سے نہ کہا جا سکے کہ دھمکی دینے والا شخص وہ فعل کر گزرے گا تو ظن غالب کا اعتبار کیا جائے گا جو یقین کے قریب قریب ہوتا ہے پھر جن پر اکراہ واقع ہوتا ہے اس کی دو اقسام ہیں یعنی مباح اور مرخص۔

مباح میں وہ امور شامل ہیں جن کا ارتکاب اکراہ تام کے سبب حالت اضطراب میں مباح ہو جائے گا۔ مثلاً: انتہائی شدت کی بھوک میں جان جانے کا اندیشہ ہو تو مردار کا گوشت کھا لینا۔

مرخص میں وہ افعال داخل ہیں جس کی شرع نے کرنے یا نہ کرنے دونوں کی

اجازت دی ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص اکراہ تام کی صورت میں کلمہ کفر زبان سے نکالے مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص خواہ وہ فعل کرے گا یا نہ کرے گا شرعاً اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ ایسے حالات میں اس کا نہ کرنا بہتر ہے چنانچہ اگر کوئی مسلمان اکراہ تام کے باوجود کلمہ کفر زبان سے نہ نکالے اور قتل ہونا پسند کرے ایسے حالات میں اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اللہ کے ہاں اجر پائے گا کیونکہ اس نے رخصت پر عمل کرنے کی بجائے عزیمت کا مظاہرہ کیا ہے چنانچہ مکی دور میں جب قریش مکہ کی طرف سے مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور انہیں ظلم وستم کی چکی میں پیسا جا رہا تھا تو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی اور وہ رخصت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے عزیمت پر ہی عمل پیرا رہے، وہ مصائب وآلام کو برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں تک قربان کر دیں جیسا کہ حضرت یاسر اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہما جو ابوجہل کے غلام تھے، اس لعین نے انہیں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا حتیٰ کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی شرمگاہ میں نیزہ لگنے سے جام شہادت نوش فرمایا لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔ اس کے برعکس حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کافر آپ سے کہلوانا چاہتے تھے چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایسے حالات میں آپ کو برا بھلا کہا اور قریش کے معبودان باطلہ کا ذکر خیر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسے حالات میں تیرے دل کی کیفیت کیا تھی۔'' سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرا دل تو پوری طرح ایمان پر مطمئن تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اگر پھر تم سے وہ ایسا ہی سلوک کریں تو تم پھر اس رخصت سے فائدہ اٹھالینا۔'' [1]

قرآن کریم کی وہ آیت جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے وہ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

[1] مستدرك حاكم، ص: ۳۵۷، ج:۲۔

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [1]

''جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ (تو معاف ہے) مگر جس نے برضا ورغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہیں بہت بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

اس کے بعد والی آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر مصائب سے گھبرا کر دین سے برگشتہ ہو جائے اور کفر کی آرام طلب زندگی کو پسند کرنے لگے تو ایسے لوگوں کو اس اجازت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [2]

''یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور اللہ تعالیٰ کفر کی روش اختیار کرنے والوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔''

اسی طرح جس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اہل کفر سے بے تعلق رہنے سے کسی خطرے یا نقصان کا اندیشہ ہو تو ظاہرداری کے طور پر دوستی رکھنے کی اجازت کا ذکر ہے۔ اس کے لیے جو لفظ استعمال ہوا ہے اسے ہم تقیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کا معنی کسی معقول عذر کی وجہ سے اپنے اسلام کو چھپانا خواہ اسلام کے عدم اظہار کی صورت میں ہو خواہ ایمان کے منافی کردار کے اظہار کی شکل میں ہو۔

وہ آیت کریمہ حسب ذیل ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ﴾ [3]

''اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے جیسے اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں سے ہرگز

[1] ١٦/ النحل: ١٠٦۔ [2] ١٦/ النحل: ١٠٧۔ [3] ٣/ آل عمران: ٢٨۔

دوستی نہ رکھیں، اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں الا یہ کہ
تمہیں ان کافروں سے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا طرز عمل اختیار کرنا پڑے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہل کفر سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کافر کبھی مومن کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا جب بھی اسے موقع ملے گا، وہ نقصان ہی پہنچائے گا، اس سے قطعاً خیر کی کوئی توقع نہیں، ہاں اس میں ایک استثنائی صورت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس رعایت سے صرف اس قدر فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، بصورت دیگر اگر کفر کی محبت کو دل میں جگہ دی یا کافروں سے محبت کا برتاؤ رکھا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی ظاہری یا باطنی عمل پوشیدہ نہیں، وہ بڑی قدرت اور طاقت والا ہے، وہ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی سزا دے سکتا ہے، اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب سے دوچار کر سکتا ہے، اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اگر کافروں سے ڈرنے کے بجائے اللہ کے ڈر کو مقدم رکھا جائے تو وہ ان کے فتنہ اور شر سے بچانے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے اور اس کے لیے کئی دوسری راہیں بھی پیدا کر سکتا ہے، غالباً اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس ''اجازت'' کے بعد فرمایا:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقیہ کی حدود و قیود کو بیان فرمایا، اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر لفظ تقیہ کو منافقت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو کی جائے، اور اسے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمان ایسے حالات سے دوچار ہو تو اس کے ظاہر کو دیکھ کر اسے کافر نہیں قرار دینا چاہیے۔ بلکہ تقیہ، تکفیر کے لیے ایک رکاوٹ کا باعث ہے، اس مقام پر یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو اقسام سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے ایک وہ کافر ہے جو اپنے کفر کے باوجود

[1] ۳/ آل عمران: ۲۸۔

مسلمانوں کو تنگ نہیں کرتا، ان سے الجھتا نہیں ایسے کافروں سے عام حالات میں بھی رواداری اور مروت سے کام لینے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ تمہیں ان کافروں سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے دین کے بارے میں لڑیں اور نہ تمہیں گھروں سے نکالیں، اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو، اللہ تعالیٰ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

دوسرا وہ کافر ہے جو مسلمانوں سے اسلام کی وجہ سے لڑتا ہے اور انہیں اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے ان سے کسی قسم کی رواداری نہیں کی جا سکتی۔ ایسے کفار کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ ﴾ [2]

''جن کافروں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تمہیں گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی اللہ تمہیں منع کرتا ہے کہ انہیں اپنا دوست بناؤ۔''

ہم نے پہلے موانع تکفیر کے سلسلہ میں تقیہ کی مختصر وضاحت کی تھی کہ اس کا معنی کسی معقول عذر کی وجہ سے اپنے دین کو چھپانا ہے خواہ وہ اسلام کے عدم اظہار کی صورت میں ہو یا ایمان کے منافی کردار کو ظاہر کرنے کی شکل میں، دراصل ایک مسلمان سے قرآن وحدیث کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر کو باطن کے مطابق رکھے اور اپنے دین کا اظہار کرے اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

[1] ٦٠/ الممتحنۃ: ٨۔ [2] ٦٠/ الممتحنۃ: ٩۔

الشَّيْطٰنِ ﴾ [1]

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔''

اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد اسے چھپا کر نہیں رکھنا چاہیے پھر یہ دین تمام شعبہ ہائے زندگی پر مشتمل ہونا چاہیے اور اس کے تقاضوں کے مطابق علانیہ عمل کرنا چاہیے لیکن بعض مقامات پر طاغوتی طاقتیں اس قدر زور آور ہوتی ہیں کہ ایک مسلمان وہاں کھل کر اپنے دین کا اظہار نہیں کر سکتا بصورت دیگر اسے امتحانات سے گزرنا اور مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں دین اسلام کا مطالبہ ہے کہ اسے بچانے کے لیے اس مقام کو خیر باد کہہ دیا جائے اور وہاں سے ہجرت کر کے رہنے کے لیے کوئی ایسی جگہ منتخب کی جائے جہاں کھل کر اپنے دین کا اظہار کیا جا سکے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ درپیش نہ ہو، ہجرت کرنے کے لیے دارالکفر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات انسان غیر معیاری مسلمانوں میں رہتے ہوئے بھی ایسے حالات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ دارالکفر میں رہتے ہوئے بھی بعض اوقات انسان اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی وجہ سے اپنے دین کو بچائے رکھتا ہے۔ دراصل اسلام اہل ایمان سے موالات اور اہل کفر سے براءت کا اظہار ہے، جس مقام پر مسلمانوں سے دوستی اور کفار سے دشمنی کا اظہار ہو سکتا ہو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے اور اس سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام کی وجہ سے آئے دن فتنوں میں مبتلا رہتے ہوں اور جنہیں اس قسم کا خطرہ نہ ہو، وہ دارالکفر میں رہتے ہوئے اظہار اسلام پر قادر ہوں ان پر وہاں سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ان جیسے دیگر اصحاب کو اسلام لانے کے بعد مکہ

[1] ٢/ البقرۃ: ٢٠٨۔

میں ہی رہنے کی تلقین فرمائی کیونکہ انہیں کفار کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں تھا۔'' [1]

لیکن دین کے متعلق فتنہ اور آزمائش میں مبتلا ہونے کے باوجود ہر انسان ہجرت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا ایسے شخص کے متعلق دین اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟ ایسے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق اپنے دین کا اظہار کرے اگر فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اور وہاں سے ہجرت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو اس کے لیے اپنے دین کو چھپانا اور اس کا اظہار نہ کرنا جائز ہے، تاکہ آزمائش وغیرہ سے محفوظ رہے۔ لیکن اسے جب بھی موقع ملے اپنے دین سے تمسک رکھے اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے اور از خود اپنے قول وفعل سے کفار کی تائید سے اجتناب کرے اور وہاں اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے اسے کوئی مجبوری ہو تو الگ بات ہے، ایسے حالات میں دین کو چھپانا اور اسے ظاہر نہ کرنا تقیہ کہلاتا ہے، کسی معقول عذر کے بغیر کفر کی ہمنوائی اور اللہ کی نافرمانی کرنا نفاق اور دھوکہ دہی ہے جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں اس معقول کی تعیین حالات وواقعات سے ہوتی ہے، ہمارے نزدیک ایسے حالات میں تقیہ کی دو اقسام ہیں: کتمان اسلام کا تقیہ، اظہار کفر کا تقیہ۔ اب ہم ان دونوں اقسام کی واقعات سے وضاحت کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کے اسلام لانے کا کسی کو علم نہیں تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب میرے لیے جو حکم ہو میں اسے بجالانے کے لیے تیار ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ کو ہماری طرف سے اجازت ہے، دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو کیونکہ لڑائی دھوکے کا نام ہے۔'' پھر یہودیوں اور مشرکین کے پاس گئے اور انہیں یہ باور کرا دیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس طرح ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور انہیں میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کا راستہ ہموار کیا۔ [2]

[1] کتاب الام، ص: ١٦٩، ج٤۔ [2] زاد المعاد، ص: ٢٧٣، ج٣۔

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی خیر خواہی اور مصلحت کے لیے یہ جنگی چال اختیار کی اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا، یہود و مشرکین سے بظاہر اپنی ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کیا، اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگی حالات میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے پیش نظر کتمان اسلام کیا جا سکتا ہے اور اس طرح کے حالات میں تقیہ کیا جا سکتا ہے، یہ واقعہ کتمان اسلام تقیہ سے متعلق ہے اور اس طرح کفار کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے، ایسے حالات میں کسی مصلحت کے پیش نظر اپنے اسلام کو چھپانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اب ہم تقیہ کی دوسری قسم یعنی اظہار کفر سے دھوکہ دینا بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: ''کعب بن اشرف یہودی کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔'' یہ سن کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں یہ کام سر انجام دوں گا، یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کا کام تمام کروں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں، آپ نے اسے اجازت دے دی کہ تم ہمارے متعلق جو کہنا چاہو کہہ سکتے ہو، اس کے بعد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اس شخص یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے صدقہ مانگ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، کعب بن اشرف کہنے لگا ابھی کیا ہوا ہے تم آئندہ اس سے بڑی بڑی مصیبتوں میں پڑو گے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا چونکہ ہم اس کی پیروی کا دم بھر چکے ہیں اس لیے ایسے حالات میں ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے، ہاں! چند دن بعد اس کا انجام دیکھ کر اسے خیر باد کہہ دیں گے، سر دست ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وسق یا دو وسق اناج مہیا کر دیا جائے، کعب بن اشرف نے کہا کہ اس کے عوض تم میرے پاس کیا چیز گروی رکھو گے الغرض حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے باتوں میں کعب بن اشرف کو اپنے قابو میں لے لیا آخر کار اس کے سر کی خوشبو سونگھنے کے بہانے اس کا کام تمام کر دیا۔ [1]

اس حدیث کے مطابق حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے

[1] صحیح بخاری، المغازی: ٤٠٣٧۔

کے لیے بظاہر کفر کا اظہار کیا ہے یعنی اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی، تا کہ وہ انہیں اپنا دوست خیال کرے اور آپ سے برگشتہ سمجھے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگی حالات میں مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر تقیہ کیا جا سکتا ہے وہ خواہ اسلام کو چھپانے کی شکل میں ہو جیسا کہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا تھا خواہ اظہار کفر کی صورت میں ہو جیسا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آخری واقعہ پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے:

''جنگ میں جھوٹ بولنا۔''

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''دشمن کو دھوکہ دینا اور اسے چکمہ دینے کے لیے ان کی مشابہت اختیار کرنا۔''

تقیہ کی ان دونوں اقسام کے متعلق ایک بات کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تقیہ کی پہلی قسم جس کا تعلق کتمان اسلام سے ہے اس کے لیے انسان کی عاجزی اور بے بسی ہی کافی ہے، اس کے لیے ایسی مجبوری کا ہونا ضروری نہیں جس میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے لیکن تقیہ کی دوسری قسم جس میں کفر کا اظہار کیا جاتا ہے اس میں لاچاری اور اکراہ کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [1]

''جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ (تو یہ معاف ہے) مگر جس نے برضا و رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر

[1] ١٦/ النحل: ١٠٦۔

یا جان کے خطرہ کے پیش نظر منہ سے کوئی کلمہ کفر کہہ دے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر بدستور قائم ہو تو اس بات کی رخصت ہے ورنہ اصل حکم اور عزیمت یہی ہے کہ اس وقت بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے اور وہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے۔ چنانچہ اس کے متعلق ہم پوری تفصیل پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اس اکراہ کی حدود وشرائط کیا ہیں جب کلمہ کفر کہنا جائز ہوتا ہے، تقیہ کے بہانے ابتدائی طور پر کسی معقول عذر کے بغیر اظہار کفر جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مواخذہ فرمایا جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک جنگی راز سے اہل مکہ کو آگاہ کر دیا تھا چونکہ انہوں نے مکہ میں اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کی حفاظت کے لیے ایسا کیا تھا اس لیے درگزر سے کام لیا گیا، تقیہ کے سلسلہ میں اہل سنت اور شیعہ میں یہی ایک بنیادی فرق ہے کہ وہ خوف واکراہ کے بغیر بھی اسے جائز کہتے ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک ایسا کرنا نفاق اور کفر ہے، شیعہ کے نزدیک تقیہ کتمان حق اور ترک واجب سے عبارت ہے بلکہ ان کے ہاں دین کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ درج ذیل نصوص سے معلوم ہوتا ہے:

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تقیہ اہل ایمان کے بہترین اعمال سے ہے۔

☆ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر تقیہ نہ ہوتا تو دشمن سے دوست کی پہچان نہ کر پاتے۔

☆ علی بن حسین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیں گے لیکن ترک تقیہ اور حقوق العباد کا ضیاع معاف نہیں ہوگا۔

☆ جعفر صادق کہتے ہیں کہ تقیہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے اور تقیہ کا تارک نماز چھوڑنے والے کی طرح ہے، دین کے دس حصوں میں نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔

☆ علی رضا کہتے ہیں کہ جو تقیہ پر عمل نہیں کرتا، اس کا اسلام خطرے میں ہے۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں حق کا چھپانا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، بزدلی دکھانا

---

[1] وسائل الشیعہ، ص: ٤٦٦، ج ٦۔

اور دوغلی پالیسی پر عمل پیرا ہونا عام ہے، لیکن اہل سنت کا تقیہ ایسی باتوں کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ اسے کسی دینی مصلحت کے پیش نظر جنگی حالات کے پیش نظر انتہائی مجبوری کے عالم میں استعمال کرنے کی اجازت ہے، اگرچہ ایسے حالات میں عزیمت کا تقاضا ہے کہ جان، جان آفریں کے حوالے کر دے لیکن اظہار کفر نہ کرے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ شخص جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی پاداش میں قتل کر دیا جائے وہ بھی شہدا کا سردار ہے۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار بھی اسی بات کی شہادت دیتا ہے کہ انتہائی لاچاری اور مجبوری کے وقت بھی اظہار کفر کے بجائے اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کر دیا جائے، سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت میں یہی عزیمت نظر آتی ہے کہ ان کے سینہ پر بھاری بھر کم پتھر رکھ کر انہیں شرک کرنے کے متعلق کہا جاتا لیکن وہ احد احد کا نعرہ لگا کر شرک کا انکار کر دیتے۔ اس طرح حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب نے کہا کہ تو گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، فرماتے ہیں ہاں، پھر کہتا ہے کہ اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں، فرماتے ہیں کہ مجھے آپ کی بات سنائی نہیں دیتی، پھر آپ کا جوڑ، جوڑ کاٹ دیا گیا لیکن انہوں نے استقلال اور استقامت کا مظاہرہ کیا، سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو مشرکین پکڑ کر آگ کے آلاؤ میں پھینک دیتے حتیٰ کہ ان کے جسم کی چربی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی لیکن کلمہ کفر زبان پر نہ لاتے، اصحاب اخدود اور غلام کا قصہ بھی قرآن میں ذکر ہوا ہے انہوں نے کس طرح مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ ان تمام حضرات نے ایسے سنگین حالات میں عزیمت پر عمل کیا رخصت پر عمل کرنا اگرچہ جائز تھا تاہم انہوں نے ہمارے لیے درج ذیل نمونہ چھوڑا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ

[1] مستدرك حاكم، ص: ١٩٥ ج ٣۔

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝﴾ ❶

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں تمہارا جو جی چاہے گا تمہیں ملے گا اور جو کچھ مانگو گے تمہارا ہو گا، یہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہو گی۔''

الغرض کسی کو کافر قرار دینا ''تکفیر'' کہلاتا ہے، یہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی اپنے بھائی کو ''کافر'' کے الفاظ سے پکارتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے۔'' ❷

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس انسان کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ فی الحقیقت کافر ہے تب تو وہ کافر ہوا اگر وہ واقعتاً کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہو گیا یعنی تکفیر دو دھاری تلوار ہے، جس نے ایک کو ضرور کاٹنا ہے۔ ہمارے اسلاف اس سلسلہ میں بہت محتاط تھے وہ کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے تھے۔ انہوں نے تکفیر کے سلسلہ میں قواعد وضوابط مقرر کیے ہیں، اس کے اسباب وشرائط سے ہمیں آگاہ کیا ہے اور موانع کی بھی نشاندہی کی ہے، جب تک کسی میں ایسی شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جا سکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو تو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے۔ بعض دفعہ تکفیر کے اسباب وشرائط کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جسے ہم مانع سے تعبیر کرتے ہیں، کسی کو اسباب کفر کے باوجود کافر قرار دینے کے لیے متعدد موانع ہیں جن میں ایک اکراہ اور دوسرا تقیہ ہے، جن کی تفصیل سے ہم قارئین کو آگاہ کر چکے ہیں۔ اب دیگر موانع پیش خدمت ہیں:

---

❶ ٤١/ حم السجدة: ٣٠، ٣١، ٣٢۔

❷ صحيح بخاري، الادب: ٦١٠٣۔

☆ جہالت ولاعلمی

اگر کسی انسان سے جہالت ولاعلمی کی وجہ سے کوئی کفریہ کام یا بات سرزد ہو جائے تو اسے معذور خیال کیا جائے اور اسے کافر قرار دینے کے بجائے اس کی جہالت دور کی جائے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دوران سفر اپنے باپ کی قسم اٹھائی، غیر اللہ کی قسم اٹھانا کفر یا شرک ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔'' [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام لاعلمی کی وجہ سے تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاعلمی اور جہالت کے پیش نظر انہیں کافر قرار نہیں دیا، اور نہ ہی انہیں تجدید ایمان کے لیے کہا بلکہ ان کی لاعلمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔'' [2]

لیکن اس جہالت کی کچھ حدود و قیود ہیں، مطلق جہل کو مانع قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس سے مراد وہ جہالت ولاعلمی ہے، جسے کسی وجہ سے انسان دور نہ کر سکتا ہو خواہ وہ خود مجبور لاچار ہو یا مصادر علم تک اس کی رسائی ناممکن ہو، لیکن اگر کسی انسان میں جہالت کو دور کرنے کی ہمت ہے اور اسے اس قدر ذرائع و وسائل میسر ہیں کہ وہ اپنی جہالت کو دور کر سکتا ہے اس کے باوجود وہ کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسے انسان کی جہالت کو کفر سے مانع قرار نہیں دیا جا سکے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ ﴾ [3]

''اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج لیں۔''

اس آیت کے تحت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بندوں پر اتمام حجت کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

---

[1] مسند امام احمد، ص: ۱۲۵ ج ۲۔ [2] صحیح بخاری، الادب: ۶۱۰۸۔

[3] ۱۷/ الاسراء: ۱۵۔

1. اللہ کی طرف سے نازل شدہ تعلیمات کو حاصل کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔
2. ان پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ جہالت اور لاعلمی کو اتمام حجت کے سلسلہ میں ایک رکاوٹ شمار کیا گیا ہے۔

☆ معقول تاویل

اگر کوئی کفریہ کام یا بات کا مرتکب اپنے پاس کوئی معقول تاویل رکھتا ہے تو اسے بھی معذور تصور کیا جائے گا، لیکن تاویل کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ میں عربی قاعدہ کے مطابق اس تاویل کی کوئی گنجائش ہو اور علمی طور پر اس عمل یا بات کی توجیہ ممکن ہو، اگر کسی کو اس کی تاویل یا معقول وجہ سے اتفاق نہ ہو تو اسے کافر کہنے کی بجائے بات کے قائل یا کام کے فاعل پر اس تاویل یا معقول وجہ کا بودا پن واضح کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ ہر تاویل تکفیر کے لیے مانع نہیں بن سکتی بلکہ وہ تاویل، تکفیر کے لیے رکاوٹ کا باعث ہوگی جس کی بنیاد کسی شرعی دلیل میں غور وفکر پر ہو لیکن اس شرعی دلیل کو سمجھنے میں اسے غلطی لگ جائے مثلاً: حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے شراب پی لی جب انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش کیا گیا تو انہوں نے درج ذیل آیت بطور دلیل پیش کر دی:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ [2]

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں اس بات پر کچھ گناہ نہیں ہوگا جو پہلے شراب پی چکے ہیں جبکہ آیندہ پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔“

”اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے تاویل میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے تو ضرور اس شراب سے اجتناب کرتا۔“ [3]

---

[1] فتاوی ابن تیمیه، ص: ٤٧٨ ج ١٢۔

[2] ٥/ المائدة: ٩٣۔ [3] الاصابه، ص: ٢٢٩ ج ٣۔

اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور ہو گا اور اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا ہاں اگر تاویل کی بنیاد کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ محض عقل وقیاس اور خواہشات نفس ہیں تو اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور نہیں ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لعین ابلیس سے سوال کیا تھا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ [1]

اسی طرح باطنی حضرات کی تاویلات ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے شرعی واجبات سے راہ فرار اختیار کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے:

اگر کسی نے معقول وجہ کے پیش نظر یا نادانستہ طور پر کسی کو کافر کہا تو کہنے والا کافر نہیں ہو گا۔ [2]

اس عنوان کے تحت آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کیا ہے جب انہوں نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا کہ یہ منافق ہے اور ان کے پاس ''منافق'' کہنے کی معقول وجہ تھی کہ حضرت حاطب، کفار مکہ سے دوستی رکھے ہوئے ہیں اور ہمارے جنگی راز اہل مکہ کو بتاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی کو دور فرمایا لیکن مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکفیر نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ''اے عمر! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو عرش پر سے دیکھا اور انہیں اپنی طرف سے مغفرت کا پروانہ عنایت فرمایا ہے۔'' [3]

قادیانی لوگ بھی تاویلات کا سہارا لے کر مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں انہیں کسی شرعی دلیل کو سمجھنے میں غلطی نہیں لگی کہ یہ لوگ معذور خیال کیے جائیں گے بلکہ یہ مرتدین کا ٹولہ ہے اور ان کی تاویلات محض خواہشات نفس کا پلندہ ہیں اس کے علاوہ علمائے امت نے ان تاویلات کا بودا پن ان پر ظاہر کر دیا ہے۔

[1] ۷/ الاعراف: ۱۲۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب: ۷۴۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب: ۷۴۔

☆ شدتِ جذبات

بعض اوقات کسی غلطی کی وجہ سے انسان کے منہ سے کلمہ کفر سرزد ہو جاتا ہے ایسے حالات میں بھی اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً: اس نے کوئی بات کہنا تھی لیکن کسی وجہ سے نادانستہ طور پر اس کی زبان سے کوئی کفر کی بات نکل جاتی ہے ایسا شدت جذبات میں ہوتا ہے، اس قسم کے جذبات کی دو اقسام ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ انسان پر شدت خوف کی کیفیت طاری ہو اور اس دہشت کے عالم میں اگر زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو قابل مواخذہ نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میری لاش کو جلا دینا پھر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دینا یا پانی میں بہا دینا، تا کہ اس طرح میں اللہ کے حضور پیشی سے بچ جاؤں۔ [1]

مرنے والے کا یہ عقیدہ کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اسے زندہ نہیں کر سکے گا یہ کفریہ عقیدہ ہے چونکہ دہشت کے مارے ایسا ہوا اس لیے اسے معذور سمجھتے ہوئے معاف کر دیا گیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس نے دہشت اور غلبہ خوف کے وقت ایسا کیا جبکہ عقل پر پردہ پڑ چکا تھا اس نے دل کی گہرائی سے حقیقت کو جانتے ہوئے ایسا نہیں کیا تھا اس وجہ سے وہ معذور تھا گویا وہ غافل اور بھولنے والے کی طرح تھا جن سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ [2]

ب۔ بعض اوقات فرحت وانبساط کے عالم میں انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر منہ سے کلمہ کفر کہہ دیتا ہے، یہ بھی قابل مواخذہ نہیں ہے حدیث میں ہے: ''ایک آدمی دورانِ سفر اپنی سواری زادِ سفر سمیت گم کر بیٹھا، نیند کے بعد جب اس نے اونٹنی کو ساز وسامان سمیت اپنے سامنے دیکھا تو مارے خوشی کے بطور شکر اس نے یوں کہا: ''اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔'' [3]

حدیث میں ہے کہ اس نے خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر یہ کلمات کہے اور غلطی کا ارتکاب کیا، ایسے حالات میں اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان

---

[1] صحیح بخاری، الانبیاء: ٣٤٨١۔

[2] فتح الباری: ٦٤٠ ج٦۔ [3] صحیح مسلم، التوبۃ: ٦٩٦٠۔

دونوں احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک پر خوف کا غلبہ اور دوسرے پر خوشی کا غلبہ، اس لیے دونوں کو معذور قرار دیا گیا۔ ❶

☆ نشہ کی حالت

اگر کوئی انسان نشہ کی حالت میں کفریہ بات کہہ دے یا کفر پر مبنی کام کرے تو قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے اسے معذور سمجھا جائے گا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا، دعوت دی، ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا، اس کے بعد شراب کا دور چلا، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا، انہوں نے مجھے نماز کے لیے امام بنا لیا، میں نے مدہوشی کی حالت میں سورۃ الکٰفرون بایں طور تلاوت کی:

"قل یایھا الکفرون ۝ لا اعبد ما تعبدون ۝ نحن نعبد ما تعبدون ۝"

چنانچہ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ ❷

''ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔'' ❸

اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی بحالت نشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا تھا کہ تم سب میرے باپ کے غلام ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو سنا اور خاموشی سے واپس آ گئے۔ ❹

حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے نشہ کی حالت میں یہ کلمات ادا کیے تھے اس لیے انہیں معذور سمجھتے ہوئے تجدید ایمان کا نہیں کہا گیا۔ معلوم ہوا کہ نشہ کی حالت میں کیا ہوا کوئی کام یا کی ہوئی کسی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

---

❶ فتح الباری، ص: ۳۸۱ ج ۱۱۔ ❷ ٤/ النساء: ٤٣۔

❸ ترمذی، التفسیر: ۳۰۲٦۔ ❹ صحیح بخاری، ۳۰۹۱۔

☆ مرفوع القلم

شریعت نے بعض لوگوں کو مخصوص حالات میں مرفوع القلم قرار دیا ہے، اس دوران اگر ان سے کوئی کفریہ کام یا کفر پر مبنی بات سرزد ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔

حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''تین آدمیوں سے (گناہ لکھنے کا) قلم اٹھالیا گیا ہے سونے والے سے بیدار ہونے تک، بچے سے اس کے بالغ ہونے تک، اور پاگل سے اس کے سمجھ دار ہونے تک۔'' [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیند، صغر سنی اور دیوانگی ایسی حالتیں ہیں کہ اگر اس دوران انسان سے کوئی کفر و شرک سرزد ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

☆ نقل و حکایت

تکفیر کے موانع میں سے ایک مانع یہ بھی ہے کہ انسان حکایت کے طور پر کوئی کفریہ بات کہے عام مشہور ہے! ''نقل کفر، کفر نباشد'' یعنی کفر کو حکایت کے طور پر نقل کرنا کفر نہیں ہے جیسا کہ فرعون کے کفر کو بایں الفاظ نقل کیا جائے کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں یا یہود مدینہ کی بات نقل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تنگ دست ہے اور ہم مالدار ہیں وغیرہ۔ ہاں! اگر کوئی مذکورہ کفر سے اتفاق کرتے ہوئے اپنی رضا و رغبت سے اسے نقل کرتا ہے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مذکورہ موانع تکفیر کے پیش نظر اگر کسی سے کفر و شرک سرزد ہو جائے تو اسے کافر یا مشرک نہیں کہا جائے گا، لیکن دور حاضر کے خوارج بڑے غیر محتاط واقع ہوئے ہیں وہ کسی کو کافر قرار دینے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہی خوارج کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں انہوں نے جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔ [2]

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر عمل کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر کرے۔ (آمین)

---

[1] مسند امام احمد، ص: ۱۰۰ ج ٦۔ [2] صحیح بخاری، مرتدین، باب: ٦۔

امام بخاری اور فتنہ تکفیر

محدثین کے ہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں امت نے امیر المؤمنین فی الحدیث کے طور پر انہیں قبول کیا ہے اور ان کی مایہ ناز تالیف ''الجامع الصحیح'' کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ تکفیر میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو عام اہل سنت کا موقف ہے کہ لوگ دین دار ہیں اور شرائع اسلام پر عمل پیرا ہیں، اس کے علاوہ وہ تمام انبیا علیہم السلام کو ماننے والے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر یقین رکھنے والے ہیں لیکن عقائد ونظریات میں سنگین قسم کی خرابیوں کے مرتکب ہیں، عقائد کی خرابی کسی انکار وتکذیب کی وجہ سے نہیں بلکہ معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے ہے ایسے لوگوں کو دین اسلام سے خارج قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی کافر کہا جائے بلکہ اس قسم کے لوگوں سے روایات لینے میں بھی نرم گوشہ رکھا جائے، بشرطیکہ وہ عدالت وامانت سے موصوف ہوں اور صداقت وپرہیز گاری میں موصوف ہوں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس موقف کے ثبوت وتائید میں کئی ایک اسلوب اور انداز اختیار کیے ہیں جن کی ہم وضاحت کرتے ہیں۔

❶ اگر کوئی انسان ایمان کے منافی کسی بات یا عمل کا مرتکب ہوتا ہے اگر اس کا ارتکاب معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے کرتا ہے تو اسے دین اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا ہاں اگر کوئی دیدہ ودانستہ، بلا تاویل وجہالت کسی کفر پر مبنی بات یا کام کا مرتکب ہے تو بلاشبہ وہ کافر اور دین اسلام سے خارج ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں اپنی صحیح میں ایک باب بایں الفاظ قائم کیا ہے:

> ''جو اپنے بھائی کو بلا تاویل کافر کہتا ہے وہ اپنے کہنے کے مطابق خود کافر ہو جاتا ہے۔'' [1]

پھر آپ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کی ہے۔ آپ نے فرمایا:

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب: ۷۳۔

"جب کوئی اپنے بھائی کو "یا کافر" کے الفاظ سے پکارتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے۔" [1]

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک دوسرا باب بایں الفاظ قائم کیا ہے:

"جو شخص کسی دوسرے کو تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافر کہتا ہے تو اس صورت میں خود کافر نہیں ہوگا۔" [2]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کیا ہے:

"انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا دفاع تو کیا لیکن ردعمل کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافر یا منافق نہیں کہا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک معقول تاویل کی بنا پر منافق کہا تھا کہ انہوں نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک اہم راز کا افشا تھا، ایسا کرنا کفار سے دوستی رکھنے کے مترادف ہے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک معقول وجہ سے انہیں منافق کہا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کافر یا منافق قرار نہیں دیا بلکہ آپ نے صرف حاطب رضی اللہ عنہ کے دفاع پر اکتفا فرمایا کہ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔" [3]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف کو مضبوط کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے باپ کی قسم اٹھائی تھی، چونکہ آپ کا یہ اقدام لاعلمی کی وجہ سے تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع کرتا ہے اگر کسی نے قسم اٹھانا ہو تو صرف اللہ کی قسم اٹھائے۔" [4]

---

[1] صحیح بخاری، الادب: ٦١٠٣۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب: ٧٤۔

[3] صحیح بخاری، المغازی: ٢٩٨٣۔ [4] صحیح بخاری، الادب: ٦١٠٨۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لاعلمی کے پیش نظر انہیں کافر یا مشرک قرار نہیں دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔'' [1]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافرانہ اقدام یا کفریہ بات کرتا ہے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فتنہ پرور اور بدعتی کی اقتدا میں نماز جائز ہے چنانچہ آپ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے:

''فتنہ انگیز اور بدعتی کی امامت کا بیان۔'' [2]

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب نقل فرمایا ہے، آپ سے سوال ہوا کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس کے پیچھے نماز پڑھو اور بدعت کا وبال خود اسی پر ہوگا۔''

پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے جبکہ آپ اپنے گھر میں محصور تھے اور مدینہ منورہ پر فساد انگیز اور فتنہ پرور لوگوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور مسجد نبوی میں بھی انہوں نے اپنا امام تعینات کر دیا تھا، لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات آپ کے سامنے ہیں، مسجد نبوی میں ایک فتنہ انگیز شخص نماز پڑھاتا ہے اور ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج محسوس کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ نماز کی ادائیگی لوگوں کے اچھے اعمال سے ہے اگر وہ اچھا کام کرتے ہیں، تو تم بھی اچھائی میں ان کے ہمراہ شریک ہو جاؤ اور اگر وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے اجتناب کرو۔ [3]

واضح رہے کہ امام فتنہ سے مراد کنانہ بن بشر ہے جو فتنہ میں خوارج کے سرداروں میں سے تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی مخالفت نہیں کی، اگر خوارج کے فتنہ پرور اور بدعتی لوگ دین اسلام سے خارج ہوتے تو حضرت

[1] مسند امام احمد، ص: ۱۲۵ ج ۲، ص ۸۷ ج ۲۔

[2] صحیح بخاری، الاذان، باب: ۵۶۔ [3] صحیح بخاری، الاذان: ۶۹۵۔

عثمان رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ نہ دیتے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز اور اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تکفیر کے معاملہ میں بہت محتاط ہیں، معمولی جرائم کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دینا آپ کا منہج اور طریقہ کار نہیں ہے۔ وھو المقصود۔

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفر، ظلم اور امور جاہلیت کی چند ایک اقسام ہیں، ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے ارتکاب سے انسان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا چنانچہ آپ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے:

''خاوند کی ناشکری کرنا اور کفر کی چند اقسام ہیں۔'' [1]

پھر آپ نے وہ حدیث بیان کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ آپ نے اکثر عورتوں کو جہنم میں دیکھا تو آپ نے انہیں خبر دار کیا کہ تم اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔ [2]

اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر ہوا تو آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت کی خو بو باقی ہے۔'' [3]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف واضح ہے کہ تکفیر بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ معمولی گناہوں کے ارتکاب پر کسی کو کافر قرار دینا دانشمندانہ اقدام نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جاہلیت کی عادت پر خبردار کیا انہیں کافر قرار نہیں دیا۔

☆ آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ظلم کی اقسام بتانے کے لیے ایک عنوان قائم کیا ہے کہ ظلم بھی کئی طرح کا ہوتا ہے۔ [4] پھر آپ نے ظلم کی ایک ایسی قسم بتائی ہے جو شرک کے مترادف اور ناقابل معافی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب یہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب:۲۱۔ [2] صحیح بخاری، الایمان، باب: ۲۲۔
[3] صحیح بخاری، الایمان: ۳۰۔ [4] کتاب الایمان، باب: ۲۳۔

آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [1]

''جو لوگ ایمان لائے پھر اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، انہی کے لیے امن و سلامتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ اس ظلم کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [2]

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

یعنی اس آیت میں مذکورہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ [3] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں لعن مطلق اور لعن معین کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے یعنی کسی معصیت کے ارتکاب پر مطلق طور پر لعنت کرنا تو صحیح اور جائز ہے، لیکن کسی مرتکب گناہ کو نامزد کر کے لعنت کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں ایک باب بایں الفاظ قائم کیا ہے: ''شراب نوشی کرنے والے کو نامزد کر کے لعنت کرنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے اور شراب نوشی سے انسان ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔'' [4]

پھر آپ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک شرابی کو جب حد لگائی گئی تو کسی نے اس پر لعنت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔'' [5]

حالانکہ متعدد احادیث میں شراب نوشی پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرا عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے:

---

[1] ٦/ الانعام: ٨٢۔ [2] ٣١/ لقمان: ١٣۔

[3] صحیح بخاری، الایمان: ٣٢۔ [4] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب: ٥۔

[5] صحیح بخاری، الحدود: ٦٧٨٠۔

''چور پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ نامزد نہ کیا جائے۔'' [1]

پھر آپ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے، معمولی سا خود چرانے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔'' [2]

ان روایات سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف واضح ہو جاتا ہے کہ لعن مطلق سے لعن معین مراد نہیں لی جا سکتی، ان دونوں میں واضح فرق ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کسی کو کافر قرار دینا بہت نازک مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جب تک کسی میں ایسی شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جا سکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی توفیق دے۔

"سبحانك اللهم وبحمدك واشهد ان لا اله إلا انت واستغفرك واتوب إليك۔"

(آمین)

ابو محمد عبدالستار الحماد

---

[1] صحیح بخاری، الحدود، باب: ٦۔

[2] صحیح بخاری، الحدود: ٦٧٨٣۔